

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حیات غوث العالم

(تارک سلطنت سلطان سید مخدوم شرف جہانگیر سنانی رضی اللہ عنہ)

افادات عالیہ

سید المفسرین رئیس المحدثین مخدوم الملت

ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتب و حاشیہ نگار

سید حسن منشی انور ایم اے (علیگ)

۵۵۳۳ء و جدید کتب مارکیٹ
میائل، جامع مسجد دہلی - ۶

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ



فہرست مضامین.....﴿﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
﴿۱﴾	ارمغان تشکر	۴
﴿۲﴾	تختہائے گفتنی	۵
﴿۳﴾	اشرف	۱۰
﴿۴﴾	او خدا دین	۱۵
﴿۵﴾	ترک سلطنت	۱۹
﴿۶﴾	سفر ارادت اور تہائی	۲۲
﴿۷﴾	ہندوستان میں ورو اور پیکل ارادت	۲۵
﴿۸﴾	جہانگیر	۳۷
﴿۹﴾	سفر ہند، تلاش خانقاہ و مزار ظفر آباد	۴۱
﴿۱۰﴾	جونپور	۴۹
﴿۱۱﴾	روح آباد آستانہ کچھوچھہ مقدسہ	۵۶
﴿۱۲﴾	غوث العالم	۶۷
﴿۱۳﴾	نتائج	۷۱
﴿۱۴﴾	حضرت غوث العالم کی سو سالہ حیات مقدسہ پر ایک اجمالی نظر	۷۲
﴿۱۵﴾	تصانیف جلیلہ	۷۴
﴿۱۶﴾	جلیل القدر خلفاء کا ایک مختصر تعارف	۷۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ارمغانِ تشکر

ہزار ہا نیاز مند یوں اور لاکھوں آستانہ بوسیوں کے بعد نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس عقیدہ سے کہ یہی اور صرف یہی میرا سرمایہ آخرت ہے، یہ چند سطور لکھتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ آج میرا قلم صفحہ قرطاس پر وجد کر رہا ہے، میرا کاغذ کسی پاک قدم کا فرش راہ بنا ہوا ہے اور میرا کلام کسی کے ذکر مقدس سے زینت حاصل کر رہا ہے۔
میں اپنی زندگی کے ان ساعات پر نازاں ہوں اور نہایت عجز و بندگی کے ساتھ اپنے رب کی کروڑ ہا حمد بجالاتا ہوں اور اس سے امید قبولیت رکھتا ہوں۔

فقیر ابوالحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق جنوری ۱۹۲۳ء

سخنمائے گفتنی

پیش نظر کتاب حضرت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ النورانی کی مختصر حیات طیبہ پر مشتمل ہے اس کا اصل مآخذ تو لطائف اشرفی ہے لیکن ترتیب مضامین کے وقت مراۃ الاسرار، اخبار الاخیار اور بحر ذخار کے علاوہ دیگر مستند کتب تاریخ و سیر سے بھی غیر معمولی استفادہ کیا گیا ہے۔ تحقیقی نقطہ نظر سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کی حیات مقدسہ سے متعلق ان سارے نایاب احوال و کوائف کو جمع کر دیا ہے جنہیں حضرت مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے تواتر کے ساتھ اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کئے۔ یہی وہ نمایاں وصف ہے جو حیات غوث العالم کو منفرد اور ممتاز بناتا ہے۔ اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی اس کا دل نشین اسلوب بیان ہے جس نے تاریخ کی خشک اور بے مزہ کیفیت کو محو کر کے واقعہ نگاری کی ایک تازہ اور شاداب فضا ہموار کی جس میں حسن بھی ہے اور اثر آفرینی بھی..... تیسرا بنیادی وصف یہ ہے کہ حضور محدث اعظم ہند علیہ السلام نے حضرت مخدوم عبد اللہ کی حیات مبارکہ کے بعض روشن پہلوؤں کو اپنے عہد کے عام حالات پر منطبق کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے اور ایسے نتائج کا استخراج کیا ہے جو تعمیر سیرت انسانی کے لئے بڑی حد تک مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔

حیات غوث العالم کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت ذہن میں ضرور رکھنی چاہئے کہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ آٹھویں صدی ہجری کے متبحر عالم اور مشرب صوفیہ کے عظیم مبلغ تھے۔ دوسرے لفظوں میں حضرت مخدوم عبد اللہ کی ذات گرامی شریعت اور طریقت کے امتزاج سے ایک ایسا سرچشمہ نور بن گئی تھی جس سے

ہندوستان اور بلاد شرقیہ کے اکثر ممالک تقریباً ایک صدی تک روشنی پاتے رہے۔ حضرت کے تصرفات روحانی سے خلق اللہ ہنوز مستفیض ہو رہی ہے اور فیوض نامتناہی کا یہ سلسلہ ابدی رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے، لیکن ان تمام حقائق کے باوجود اس عظیم المرتبت شخصیت کا کتب تاریخ میں کوئی تفصیلی ذکر نہیں ملتا اور لطائف اشرفی کے پیش کردہ تفصیلی واقعات کی تائید و تصدیق نہ تو تاریخ ایران سے ہوتی ہے اور نہ تاریخ ہندوستان سے۔ اسی عدم ذکر کو برہان و حجت قرار دیتے ہوئے بعض حضرات اپنی جدت پسندی کے زعم میں لطائف اشرفی ہی کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں۔ شاید انھیں اپنے طرز فکر کی زیادہ داد ملے اگر وہ حضرت مخدوم عبداللہ کے مبارک وجود ہی کو یہ کہہ کر مشکوک و مشتبہ مان لیں کہ تاریخ کی کتابوں سے اس کی نشاندہی نہیں ہوتی! ان حضرات کو کون باور کرائے کہ تذکروں کو بے وزن اور حقیر خیال کرنا تاریخی شعور رکھنے کی دلیل نہیں اس لئے کہ تذکروں ہی کے کٹن سے تاریخ کا ظہور ہوتا ہے۔ اب جہاں تک تذکروں کی موجودگی میں تاریخ کے صفحات کے سادہ رہنے کا سوال ہے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ایک حضرت مخدوم عبداللہ ہی کا کیا ذکر ہے بلکہ طبقہ صوفیہ کے اکثر اکابرین کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان بزرگوں کے تمام ضروری احوال مختلف ملفوظات اور تذکروں میں محفوظ ہیں اور ان کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد حیات و سیرت کی ایک مکمل اور مبسوط تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے لیکن ہزار ہزار صفحات پر مشتمل ملفوظات اور تذکروں کے مطالعے کا ناخوشگوار فریضہ کیسے ادا کیا جائے اور اس ”جوئے شیر“ کو لانے کے لئے ”یتیشہ زنی“ کون کرے؟ یہی وہ سوال ہے جس کا واضح جواب ار باب تاریخ آج تک نہ دے سکے۔ استاذ گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے

بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ ”تاریخ کے طلباء نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدانِ جنگ سے ہی عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔“

غالباً اسی بے توجہی اور تن آسانی کا یہ نتیجہ ہے کہ طبقہ صوفیہ ہر عہد میں ہدفِ ملامت بنارہا اور معتز شین اپنی بے خبری یا ذہنی آزادی کی بناء پر جس طرح جی چاہا انگشت نمائی کرتے رہے۔ کبھی تصوف کا رشتہ قرآن و حدیث سے توڑ کر یونانی فلسفہ، گیتا، ویدانت، زروشتیوں کے توہمات اور بودھ مت کے پراسرار خیالات سے جوڑ دیا گیا، کبھی صوفیہ کو علم سے بے بہرہ بتایا گیا، ان پر رہبانیت پسندی کی مہر بھی ثبت کر دی گئی اور انھیں ملت کے قوائے علمی کو مضحل بنانے کا ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔ اس پریشان خیالی اور انتشارِ ذہنی کے طوفان کو چند مستشرقین یورپ سے مزید توانائی ملی جنھوں نے اسلام دشمنی کے پردے میں تصوف اور صوفیاء اسلام کی دل کھول کر تنقیص کی تھی اور پچھلے کہاروں کی طرح بعض نام نہاد مسلمان بھی ان کے ہموا بن گئے تھے۔

لیکن اب یہ طوفان اپنی قوت کھو چکا ہے۔ اب سائنسی قدروں نے انسانی فکر و نظر کو کچھ اس طرح متغیر اور انقلاب آفریں بنا دیا ہے کہ علم و فن کا ہر شعبہ نظر ثانی کا محتاج دکھائی دیتا ہے۔ آج کا انسان زندگی اور کائنات کی ہر حقیقت کو دریافت کرنے کے لئے ایک مثبت نظریے کا متحس ہے۔ چنانچہ اب وہ تصوف کو ایک ایسے اخلاقی نظامِ حیات اور نظامِ کائنات کی ایک مکمل توجہ سے تعبیر کرنے لگا ہے جس میں مادی آسودگی بھی ہے اور روحانی ارتقاء بھی..... پروفیسر ایچ۔ آر۔ گب کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔

”تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت

سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔“

اسی بات کو پروفیسر ہنٹی نے یوں کہا ہے: ”سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔“

ہالینڈ کے ایک ذی علم (لوکے گارد: Lokkegaard) نے شاندار کامیابیوں کے ساتھ بعض کی قید کو گوارہ نہ کیا۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ ”اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن ”روحانی اسلام“ میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان مثالوں سے علمی اور سنجیدہ تحقیق و جستجو کے بدلے ہوئے معروضی زاویوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ تصوف یا صوفیاء اسلام پر معترضین کے سارے اعتراضات ”خرافات القداماء“ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان مخالفین پر علماء اسلام نے بھی خصوصی توجہ دی ہے اور صوفیہ کے اقوال و کردار کی روشنی میں ان کے ہر سوال کو بے بنیاد اور شخصی عصبیت کا حامل بتایا ہے۔ اس تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، ہمارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ اسی معروضی نقطہ نظر نے اس ”حجابِ اکبر“ کو اٹھادیا جس کا سہارا لے کر مخالفین نے بیسویں صدی عیسوی کے نصف حصے تک تصوف کو باڑیچہ یا طفل بنائے رکھا۔

خدا کا شکر ہے کہ اب ماضی کے اس سرمایہ علمی (تصوف) کی دوبارہ چھان بین اور صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کا مناسب وقت آ گیا ہے اس لئے کہ موجودہ انسان مادی ناہمواریوں سے نبرد آزما ہے، طبقاتی کشمکش میں اسیر ہے، رنگ و نسل کے امتیازات میں گھرا ہوا ہے، عظمت و جلالت کی آزمائش میں مبتلا ہے، مختلف عقائد و نظریات کے طغیان میں دم توڑ رہا ہے، فلسفیانہ موشگافیوں سے بیزار ہو چکا ہے، وہ حقیقت کو حقیقت

پسندانہ نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہے اور فطرت کا مطالعہ فطری طور پر کربخ کا آرزو مند ہے۔
 لہذا اس ہوش ربا عہد میں مذہبی اسلام یا روحانی اسلام یا تصوف کی مستند اور معتبر تاریخ کو
 مدون کرنے کی ضرورت و اہمیت کا شدید احساس عام لوگوں کے دلوں میں بھی پایا جا رہا
 ہے تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صلاح و فلاح کا پیغام ملے اور انسان کی نا آسودگیوں کا
 اصل مداوا ہو سکے، اسی سلسلے کی ایک مختصر اور ابتدائی کوشش حیاتِ غوث العالم کے نام سے
 نذر ناظرین ہے۔

حیاتِ غوث العالم کی ترتیب اور اس پر حاشیہ نگاری کی حاجت اس لئے پیش
 آئی کہ متن کی معنوی خوبیاں نمایاں ہوں، مفید معلومات کا اضافہ کیا جائے اور مختلف
 تذکروں کے تقابلی مطالعے سے ایک نتیجہ خیز بات کہی جاسکے جس میں تحقیق اور تنقید
 دونوں کا چولی وامن کا ساتھ رہے۔ یہ اسلوب فکر نہ صرف یہ کہ کتاب کی افادیت کو بڑھاتا
 ہے بلکہ اکیڈمی کے رجحانات اور طریقہ کار کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ مشائخِ چشت کی سیرت و سوانح سے دلچسپی رکھنے والے
 بالعموم اور وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ بالخصوص اس کتاب کا خاطر خواہ خیر مقدم کریں گے اور
 اپنے ربِ قدیر سے ملتی ہوں کہ

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کردے
 چمن کے ڈوڑے درّے کو شہید جستجو کردے

”کاشانہ“

کچھو چھا شریف، ضلع فیض آباد
 سپد حسن ثنی النور



اشرف

ساتویں صدی کی بات ہے کہ فارس میں ایک عظیم الشان اور قدیم اسلامی سلطنت تھی۔ انتظامی خوبیوں اور امن و امان میں یہ حکومت ضرب المثل تھی اس سلطنت کو مذہبی برتری اس میں حاصل تھی کہ حکومت کا تاجدار خاندان سادات سے تھا قرب و جوار بلکہ دور دور کے بادشاہان اسلام اس حکومت کی عزت کرتے تھے اور یہاں کے بادشاہ کو سلطان کہا کرتے تھے اس کے دار الحکومت کا نام شہر سمنان (۱) تھا شیراز یہاں سے قریب

(۱) یہ قدیم شہر آج بھی ایک قصبہ کی صورت میں حدود سلطنت ایران میں ہے اور بحر کسپین (Caspian Sea) سے کم و بیش ۱۰۰ میل، اسفہان سے ۲۰۰ میل، اور کاشان سے ۱۵۰ میل کی دوری پر ہے، طول البلد ۵۳ اور عرض البلد ۳۵ کا درمیانی حصہ اس تاریخی شہادت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سپد محمود غزنوی نے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں سمنان کو اپنا دار الخلافہ بنایا اور شاہان خاندان سامانیہ سے حاصل کی ہوئی سلطنت کی از سر نو تنظیم کی۔ مملکت سمنان میں عراق اور خراسان کے علاقے بھی شامل تھے اور سیاسی برتری کے ساتھ اسے دینی و تاریخی حاصل تھا۔ آج سمنان کی وہ شوکت تو نہیں ہے لیکن شاندار محلوں کے کھنڈرات اور عظیم الشان عمارتوں کے نلبے اس کے پر جلال ماضی کے آئینہ دار ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے سفر ایران کی واپسی پر سمنان کے آثار قدیمہ کے بارے میں بعض مفید باتیں راقم الحروف کی بتائی تھیں اور جناب مولوی سبط حسن صاحب انچارج شعبہ مخطوطات، آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی نے بھی اپنی یعنی شہادت کی بناء پر ان باتوں کی تائید و تصدیق کی تھی لہذا سمنان کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ انھیں دو حضرات کے مشاہدات و اقوال پر مبنی ہے۔)

تھا شاہی نواز شوش کی بدولت سمنان کی گلی گلی اہل کمال سے بھری ہوئی تھی آج تک علماء امام علاء الدولہ سمنانی (۱) کا نام بڑی تعظیم سے لیتے ہیں کہتے ہیں کہ سلطان کے عدل و انصاف سے تمام رعایا اس قدر خوش حال تھی کہ لوگ ہجرت کر کے یہاں آ کر بسنے جاتے اور گویافت اقلیم کے دلوں پر یہاں کا سلطان حکومت کرتا تھا دارالسلطنت میں خاص شاہی قصر عجمی مذاق کے موافق بناتھا اور عمارت کی سر بلند چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ استنبولی قائلین تو فرش راہ تھا اور عیش و راحت کا شاہی انتظام تمام حکومتوں سے بڑھ کر تھا۔ خاندان سادات کو کوئی چھ پشت (۲) حکومت کرتے گزرا تھا اور اب

۱۔ ابوالکلام رکن الدین علاء الدولہ احمد بن محمد البیہاکی السمنانی علیہ الرحمہ (المتوفی ۳۶۱ھ) کی ذات گرامی آٹھویں صدی ہجری کے علماء و مشائخ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ملک سمنان سے تعلق نسبی رکھتے تھے اور پندرہ سال کی عمر کے بعد وہ سلطان وقت (سید ابراہیم جلبر ازہم) کی خدمت پر مامور ہوئے۔ ایک جنگ میں جب کہ سلطان اپنے دشمنوں سے ہرز آڑا تھا، شیخ پر یکا یک جذبہ فقر و درویشی طاری ہوا اور پھر سب کچھ چھوڑ کر وہ ۶۸ھ میں حضرت شیخ نور الدین عبدالرحمن کسرقی جلبر ازہم کی صحبت میں بنداد یہوئے۔ ۶۸ھ میں رشد ہدایت کی اجازت پائی۔ ۲۰۰ھ سے ۱۶ سال کی مدت تک خانقاہ کے کئیہ سمنان کو مرکز رشد ہدایت بنایا۔ انہوں نے ۷۷ سال کی عمر پائی اور قطب زمان عماد الدین عبدالوہاب کے خطیرہ میں مدفون ہوئے۔ (طائف اشرفی، ج ۱ ص ۸۷ و برکات چشتیہ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰ صفحات الانس ص ۳۹۲۔ ۳۹۳) شیخ علاء الدولہ سمنانی جلبر ازہم سلسلہ نقشبندیہ کے زبردست مبلغ تھے۔ انہیں شیخ اکبر حضرت عجمی الدین ابن عربی جلبر ازہم کے نظریہ وحدۃ الوجود سے اتفاق نہ تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے شیخ عبدالرزاق الکاشانی جلبر ازہم جو اپنے وقت کے قابل قدر عالم اور خصوصاً الفہم کے شارح بھی تھے، سے مراسلت بھی کی مگر شیخ کی عقلی رفیع نہ ہو سکی۔ وہ اپنے علم اور زہد و تقویٰ کی بدولت، جمہور مشائخ کے نزدیک بیشہ محترم و معزز رہے۔ شیخ کے کمال تقویٰ سے متعلق تفصیلی حالات صفحات الانس میں ملاحظہ ہوں۔

۲۔ یعنی سلطان ابراہیم بن سلطان سید عماد الدین نور بخشی بن سلطان سید نظام الدین محمد علی شیر بن سلطان سید ظہیر الدین محمد بن سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سید محمود نور بخشی رحمۃ اللہ علیہم۔ (صباح اشرفی، ورق ۱۱۳)

سلطان ابراہیم علیہ السلام (۱) کا زمانہ تھا۔

سلطان ابراہیم بادشاہ ہی تھے ادنیٰ ادنیٰ اشاروں پر لوگ پسینہ کی جگہ خون بہا دینے کو تیار تھے۔ گھر میں سلطان بیگم کی خدمت میں ہزاروں خواص رات دن حاضر رہتی تھیں اور اس گھر میں دنیا کے کسی غم کے لئے کوئی دروازہ نہیں بنایا گیا تھا مگر پھر بھی سلطان اور سلطان بیگم کا چہرہ غمگین و متفکر ہی رہا کرتا تھا اور کسی تدبیر سے پوری خوشی کی نشانیاں چہرہ سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں وزراء و امراء نے ہزاروں تدبیریں کیں عظیم الشان جشن کی محفلیں کیں مگر غم ہے کہ دل سے نہیں نکلتا اور غم اولاد کا تھا۔

سیدوں کا گھرانہ تھا غم برداشت کرتا موروٹی تھا کبھی زبان پر ایک لفظ بھی ایسا نہ

۱۔..... سلطان سید ابراہیم (السنی ۲۳ھ) حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سلطان سید ابراہیم بن سلطان سید عماد الدین نور بخشی بن سلطان سید نظام الدین محمد علی شیر بن سلطان سید ظہیر الدین محمد بن سلطان سید تاج الدین بہلول بن سلطان سید محمود نور بخشی بن سید مہدی بن سید اکمل الدین بن سید جمال الدین بن سید حسین نسیف بن سید ابو حمزہ احمد بن ابو موسیٰ علی بن سید اسماعیل ثانی بن سید ابوالحسن نجم بن سید اسماعیل عارج بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت امیر المومنین امام الحسنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (صحائف اشرفی ورق ۱۱۲)

سلطان ابراہیم حد درجہ کریم انفس اور انسانیت نواز تھے۔ ان کا تقویٰ اور اخلاص بالعمل کا جذبہ شہرستان میں ضرب المثل تھا۔ دین سے ان کی غیر معمولی وابستگی کی یہ ایک تابناک مثال ہے کہ ان کے عہد میں ہزاروں تشنگان علم دفن منزل مقصود پر پہنچے اور علماء و مشائخ کے لئے انہوں نے ہمیشہ اپنی عقیدت کا دامن پھیلائے رکھا۔ سلطان ابراہیم نے مدارس اسلامیہ کی سرپرستی کے ساتھ خانقاہوں کی تعمیر و ترقی میں بھی نمایاں حصہ لیا، چنانچہ سنائی کی مشہور خانقاہ سکاکیہ کی دوبارہ تعمیر و توسیع سلطان ابراہیم ہی کے دست کرم سے ہوئی جس کو شیخ علماء الدولہ سنائی علیہ السلام نے ایک عرصے تک اپنے اوراد و وظائف اور رشد و ہدایت سے رونق بخشی۔ خانقاہ مذکورہ پر سو ۱۰۰۰ روپے روزانہ خرچ ہوتے تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۱، ص ۸۷ و ج ۲، ص ۹۰-۹۱)

آیا کہ لوگوں کو اس غم کا علم ہونے پاتا ہاں سلطان بیگم کبھی کبھی رات کو اپنے بزرگوں کی طرف متوجہ ہوتیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتیں کہ اے میرے رب تو نے اتنا دے رکھا ہے جس کا شکر گزار ہونا مجھ ضعیفہ سے دشوار ہے اب میرا منہ نہیں ہے کہ تجھ سے کچھ سے کچھ مانگوں۔ اور نہ اس قابل ہوں کہ جو کچھ مانگوں وہ ضرور پا جاؤں مگر اے وانا تو ہی بتا کہ سلطان کے بعد تیرے بندوں کا والی کون ہوگا اور کون انصاف فرما کر باپ دادا کے نام کو روشن کرے گا۔ تیری عطا کی ہوئی دو تین پچیاں ہیں اور کوئی لڑکا گھر کا چراغ نہیں ہے اُس پر کوئی آٹھ سال ہوئے کہ مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں اس عرضی میں کوئی سوال پیش کرتی ہوں میرے مالک میں نے غلطی کی میں تجھ سے مانگنے کا منہ نہیں رکھتی اور اقرار کرتی ہوں کہ تیری رضا سے راضی ہوں۔

سلطان بیگم ایک دن بعد نماز عشاء یہی کہتے کہتے رونے لگیں اور اس قدر روئیں کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور مصلے ہی پر سو گئیں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ احمد یوسی عبد (۱) جو اس گھرانے کے بزرگوں میں سے تھے آئے اور فرمایا کہ اے بیٹی تو کیوں بے

۱۔۔۔۔۔ حضرت خواجہ احمد یوسی عبد (رحمہم اللہ) (المتوفی ۱۱۶۶ھ، ۵۱۲ھ) ترکستان کے سلسلہ خواجگان کے مشہور بزرگ تھے اور ان کا شمار مقتدائے کاملین میں تھا۔ صاحب تاریخ مشائخ چشت نے لکھا ہے کہ وہ اتالیبوسی کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۱۲۱ ترکی زبان میں باب کو کہتے ہیں جیسا کہ رشحات میں مذکور ہے ”اذا راکہ بہ ترکی پدراست بمشاخ بزرگ اطلاق کنند“ تاریخ مشائخ چشت ۲۱۶ بر حاشیہ) اور ترکستان کے مقام بسی کی نسبت سے یوسی کہلائے۔ حضرت خواجہ احمد یوسی عبد (رحمہم اللہ)، حضرت خواجہ یوسف ہمدانی عبد (رحمہم اللہ) (المتوفی ۵۳۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے جن کے بارے میں نجات الانس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”انسان غالیہ و عارف و زانیہ صاحب الاحوال و المتواہب التجویز و الکرامات و المقامات الخلیفۃ“ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی عبد (رحمہم اللہ) کے چار خلیل القدر خلفاء تھے، ان میں سے حضرت خواجہ احمد یوسی عبد (رحمہم اللہ) تبلیغ و شاعت دین کی خاطر ترکستان پہنچے اور اپنے سلسلہ ارادت و بیعت کو خوب پھیلا یا۔ (نجات الانس ص ۳۳۷-۳۳۹، خزائن الاصفیاء ص ۵۳۱-۵۳۲)

قرار ہوتی ہے مبارک ہو کہ تیرے بطن سے آفتاب ولایت طلوع ہونے والا ہے۔ صبح اٹھ کر سلطان بیگم نے سلطان سے سارا واقعہ خواب کا بیان کیا اور قصر شاہی میں خوشیاں منائی جانے لگیں۔ اسی زمانے میں اتفاق سے ایک مسلم الثبوت بزرگ ابراہیم مجذوب عبد (۱) ایک صبح کو قصر شاہی کے محسرات میں نظر آئے۔ سلطان اور سلطان بیگم دونوں کو حیرت ہوئی کہ یہ کس راستے سے آئے ہیں پہرہ داروں نے کہا کہ دروازہ سے کوئی اندر نہیں گیا ہے۔ سلطان نے ابراہیم مجذوب عبد (۱) کو صدر مقام پر بٹھایا اور قدم بوس ہوئے ابراہیم مجذوب عبد (۱) نے فرمایا کہ اے سلطان تو بیٹا چاہتا ہے اور اس غم میں پریشان ہے ایک ہزار اشرفی دے تو اشرف عبد (۲) کو لے۔ سلطان نے فوراً اشرفیاں حاضر کیں ابراہیم مجذوب عبد (۱) نے فرمایا کہ قیمتی چیز تم کو مفت دی جاتی ہے۔ جاؤ تمہارے لڑکا پیدا ہو گا یہ کہہ کر وہ بزرگ اٹھے اور آنکھوں سے غائب ہو گئے۔

۱۔ شیخ ابراہیم مجذوب عبد (۱) سلطان سید ابراہیم عبد (۱) کے معاصر تھے اور سلطان کو ان سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ ہمہ وقت عالم جذب میں رہا کرتے تھے۔ نجات الانس میں حضرت شیخ نجیب الدین علی برغش عبد (۱) کا یہ قول ”دیوانہ عجب بود“ شیخ ابراہیم مجذوب عبد (۱) کی گرام قدر شخصیت کا ایک عنوان جلی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ مجذوب عبد (۱) چند روز تو کچھ نہیں کھاتے تھے اور پھر وقت آنے پر سون ایک ہی نشست میں کھا جاتے تھے۔ اسی طرح کی اور بھی روایتیں ہیں جو ان کے خوارق عبادات اور کرامات عجیبہ کی غماز ہیں۔

(نجات الانس ص ۲۲۲۔ ۲۲۵ و لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

۲۔ یعنی حضرت غوث العالم، محبوب یزدانی خدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ النورانی بن سلطان سید ابراہیم عبد (۱)۔ بہار نعم ج ۱ ص ۱۰۱ پر لفظ اشرفی کے تلفظ اور مفہوم کو یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ ”اشرفی بسکون شین صحیحہ و فتح راہ مہملہ درست“۔ اسی منسوب است باشراف کہ پادشاہی بود، سکے زر بوزن وہ ماش بزمان اور دواج یافت۔“ اب اگر اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر حضرت شیخ ابراہیم مجذوب عبد (۱) کی گفتگو سے مطابقت کی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ والوں کے سینے اسرار و معارف کے آئینے ہوا کرتے ہیں!

خدا کی شان کہ اُس گھر میں سلطان بیگم کے ایک نہایت مبارک و مسعود و خوش اقبال اور خوبصورت لڑکا پیدا ہوا اُس بچے کا نام حسب ہدایت حضرت احمد یونی حبیب اللہ، اشرف رکھا گیا۔ ٹھیک اُسی دن حضرت ابراہیم مجددی حبیب اللہ بھی آئے اور کہا کہ اے سلطان آج ہماری بیچ ختم ہو گئی اور ہزار اشرفی کے بدلے تم کو قیمتی مال مل گیا۔ اس مسرت آگیاں موقع پر شاہی مہمان خانہ عرصہ دراز تک آباد کر دیا گیا۔ ساری رعایا کے گھر گھر گویا عید ہو گئی اور چراغاں سے سمنان میں مہینوں رات دن کا فرق جاتا رہا، یہ کوئی ۸۰۸ھ کا واقعہ ہے۔

اوحد الدین

پیارے اشرف حبیب اللہ، ماں باپ کی آنکھوں کے تارے اشرف حبیب اللہ، کی پرورش آغوش شاہی میں ہونے لگی۔ جب ماشاء اللہ سے چلنے پھرنے اور منہ سے بولنے کے دن آئے تو بڑے بڑے علماء اور ائمہ (۱) تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ بلند اقبال اشرف حبیب اللہ نے سات برس کی عمر میں سارا قرآن شریف ساتوں قرات سے یاد کر لیا

۱۔ مثلاً حضرت شیخ رکن الدین علاء الدین سمنانی حبیب اللہ (ان کا ذکر حاشیہ پر آچکا ہے)، حضرت شیخ عبدالرزاق کا شی اکاشانی حبیب اللہ جو اپنے وقت کے تبحر عالم تھے اور جن کے بارے میں خود حضرت مجدد حبیب اللہ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اس فقیر حضرت شیخ عبدالرزاق کا شی رسید اکثر از فوائد مستفاد گشت" (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۹۹)، حضرت امام عبداللہ یافعی حبیب اللہ "مفتدائے اولیاء عصر و پیشوا ہلفاء و ہر خود بودند و عالم معلوم ظاہری و باطنی بہ خصوص بیان تواضع اولیاء گویا آیتے بود کہ در شان ایشان نازل شدہ..... و اختصاص بانواع لطایف معارف آمیز و ظرایف کواشف انگیز یافتہ و مدتے در بلاذمت شریف و جمادات لطیف بضافت"۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰)، حضرت سید علی ہمدانی حبیب اللہ "جامع بودہ است در علم ظاہری و باطنی..... بے از فوائد سلوک و موانع سلوک و مواجید و از فوائد کہ از حضرت سید یاقم اگر ہر سر موع لسان گردہ، شکر و از ہزار کی نتوہم گذرانید"۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۲) "چوں دے متولد شدہ و بن مبارک پیاہر سال و چہار ماہ و چہار روز رسید بخدمت شیخ عماد الدین تہجدی ز درس آغاز کرد"۔ (مصانف اشرفی ورق ۱۱۴)

اور ماں باپ نے اب علم و کمال خاندانی کی طرف اُن کو جھکا دیا۔ ابھی چودہ برس کی عمر ہوئی تھی کہ تمام علوم و کمالات میں سند حاصل کر لی اور عرب و عجم میں علمی کمال و تبحر کا آوازہ بلند ہو گیا اکابر علماء بغرض استفادہ و شاگردی حاضر ہونے لگے اور فارس کی تعلیم گاہوں میں مولانا اشرف عبدلہ کا طوطی بولنے لگا۔

خدا کی شان و بیکھو کہ ماں باپ کو جس قدر اس کی خوشی تھی کہ اُن کے بعد شاہی گھرانہ مولانا اشرف عبدلہ کے دم قدم سے آباد رہے گا اُسی قدر مولانا اشرف عبدلہ کو دنیا اور سامان دنیا سے نفرت تھی۔ صرف والدین کے سلام و خدمت کا فرض مجبور کرتا تھا نہیں تو مولانا اشرف عبدلہ کے قدم مدرسہ سے مسجد اور مسجد سے مدرسہ ہی آتے جاتے تھے اور برائے نام شاہی مجلسِ اہل میں جانا ہوتا تھا۔ سند علمی حاصل کرنے کے بعد مدرسہ بھی چھوٹ گیا تھا اور مسجد سے باہر کوئی مولانا اشرف عبدلہ کو کم دیکھتا تھا۔ طبیعت کا رجحان فقر و درویشی کی جانب زیادہ تھا اور عبادت الہی کا ذوق پورا پورا تھا اور کیوں نہ ہو ایک تو سیدوں کا گھرانہ تھا، نبی ﷺ کا خاندان تھا اُس پر آنکھ کھلتے ہی جس ماں کی گود میں پلے تھے اُن کو دیکھا تو اُن کو رابع ثانیہ پایا۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی تو خدیجہ تھا مگر اُن کو عبادت اور بندگی الہی کا ایسا ذوق تھا کہ کبھی نماز تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی لوگ ان کو رابع ثانیہ ہی کہا کرتے تھے۔ مولانا اشرف عبدلہ نے ان کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں پھر بھلا وہ مسجد سے باہر کیوں نکلتے۔ مولانا اشرف عبدلہ کو خیر میں طلب حق کا مادہ بچپن ہی سے تھا، جس بزرگ کو دیکھتے اس سے استفادہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام نے مراقبہ اسم ذات و پاس انفاس کی تعلیم دی تھی اور حضرت خواجہ اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) نے اجازت اذکار سلسلہ اویسیہ دی تھی اور یہی آپ کا معمول رہا۔ قضا را فراغت علمی

(۱)..... خیراتِ یمن، سلسلہ اویسیہ کے بانی اور صوفیہ کے طبقہ اولی (۶۶۱ تا ۸۵۰ء) کے بے مثل نمائندہ تھے۔ ان کے حالات حضرت خواجہ فرید الدین عطار عبدلہ نے تذکرۃ الاولیاء ص ۱۱۲، ۱۱۳ میں بڑی خوبی سے درج کئے ہیں۔ شیخ

کے دوسرے ہی سال سلطان ابراہیم عبدلہ نے سفر آخرت اختیار کیا اور امراء و وزراء کے اصرار اور خود والدہ ماجدہ کے حکم سے مجبور ہو کر مولانا اشرف عبدلہ کو تاج شاہی اپنے سر پر رکھنا پڑا اور اپنی عمر کے چند رھویں سال میں مولانا اشرف عبدلہ فرما کر وائے تخت سمنان ہو گئے اور مولانا السلطان سید اشرف عبدلہ کے نام کا سکہ جاری ہو گیا۔ آپ کے زمانے میں عدل و انصاف اپنی معراج کو پہنچ گیا اور سمنان ایک علمی مرکز بن گیا۔ داد و ستد اور خدمت دین و اہل دین کو دیکھ کر سلاطین زمانہ تخت سمنان سے رشک کرنے لگے اور عام و خاص دینی کارناموں کو دیکھ کر سلطان سید اشرف عبدلہ کو اوحوالہ دین کہنے لگے اور سلطان اوحوالہ دین سید اشرف عبدلہ کہہ کر لوگ آپ کو یاد کرنے لگے۔ سلطان اوحوالہ دین سید اشرف عبدلہ (رحمہمہ) تو روز چاہتے تھے کہ تخت و تاج کو لات مار کر کنارہ کش ہو جائیں

علامہ شہاب الدین القلیبی عبدلہ (رحمہمہ) نے بھی کتاب القلیبی (مطبوعہ) کے ص ۱۳۵، ۱۳۶ پر حضرت اویس قرنی عبدلہ کے ذکر کے سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی عبدلہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”رَوَى أَبُو بَرْزَاءٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ خَيْرَ النَّاسِ بَيْنَ رَجُلٍ يُفْعَلُ لَهُ أَوْ يَسْ بَأْتِيهِ عَلَيْكُمْ بَيْنَ أَمْرٍ ابْنِ الْبَيْنِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ فَإِنْ اسْتَقْطَعَتْ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَكَ مِنْهُ فَأَفْعَلْ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ سَأَلَهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ فَاسْتَغْفِرَ لَهُ“ یعنی اسیر ابن جابر نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیر انسان بین ایک مرد ہے جس کا نام اویس ہے جو تمہارے پاس مجاہدین اسلام کی مدد کیلئے یمن کے امدادی لشکر کے ساتھ آئے گا۔ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھائے گا تو اللہ اسے ضرور تمام فرمائے گا۔ پس موقع نصیب ہو تو اپنے لئے اس سے دعائے مغفرت کراتا۔ راوی (اسیر ابن جابر رحمہ) نے کہا کہ حضرت اویس رحمہ جب سیدنا فاروق اعظم رحمہ کے دور خلافت میں تشریف لائے تو حضرت عمر رحمہ نے ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرائی اور انہوں نے آپ کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ علامہ جلال الدین سیوطی عبدلہ (رحمہمہ) کے حوالے سے صاحب کتاب القلیبی بقطر از ہیں کہ حضرت اویس قرنی رحمہ رفعت صفین حضرت علی رحمہ کے ساتھ تھے اور اسی دن شہید بھی ہوئے۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت اویس قرنی رحمہ رفعت و منزلت اور تقدس و برتری کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے اور اسی لئے انہیں ”خیر العالمین“ کہا گیا ہے۔

اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد (۱) کو جہانبانی سپرد فرمادیں مگر ایک تو والدہ ماجدہ کا دباؤ تھا دوسرے حضرت خواجہ خضر نے آکر کہہ دیا تھا کہ ابھی کچھ دنوں تک اپنے قدم سے تخت شاہی کی عزت افزائی فرماتے رہئے اس کے بعد جو مناسب ہوگا دیکھا جائے گا، مجبوراً آپ کو تاجداری کرنی پڑی۔

کبھی کبھی فوجی نمائش کے معائنہ کے لئے جب سلطان بنام سیر و شکار نکلتے اور کسی فوجی آدمی کی کوئی بے عنوانی دیکھتے تو اُسی وقت تنبیہ فرمادیتے ادنیٰ ادنیٰ شخص بڑے بڑے فوجی افسروں کی گرفت کرتا تھا اور دربار شاہی سے کامیاب ہوتا تھا ہر شخص کی فریاد براہ راست دربار سلطانی میں جاتی تھی اور انصاف کی طاقت سے شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ (۲)

۱۔۔۔۔۔ بعض تذکروں میں سید محمد کے بجائے محمد عرف یا صرف عرف درج ہے جو اشرف کا قافیہ بھی ہے۔ لیکن اس قافیہ بیان سے تاریخی نقطہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ لطائف اشرفی ج اول ص ۱۱۷ سے عبارت ”چوں اعراض از سریر سلطنت واعراض از سریر مملکت کریم و تقویٰ لیس احکام جہانداری و تہذیب سرانجام شہریاری بہ برادر اعزاز شد موید سلطان محمد محمودیم“ الخ صراحت کے ساتھ سید محمد نام کی تائید اور عرف نام کی نفی کرتی ہے۔

(نیز ملاحظہ ہو صحائف اشرفی ورق ۱۱۳ اور کات چشتیہ ۳۹)

۲۔۔۔۔۔ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے دس سال عہد خلافت میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ہیں ان کا کتابۃ الظہار حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے متن کتاب میں کر دیا ہے لیکن انکی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلطان بنام سیر و شکار نکلتے اور دو تین دن تک یہ تقریبی مشغلہ جاری رکھا۔ سلطان کے سپاہیوں کی جماعت مختلف سمتوں میں جستجو سے صید کیلئے منتشر ہو گئی لیکن سلطان نے اپنے ہاتھوں سے کسی جانور کو ایذا نہیں پہنچائی۔ اگر کوئی زندہ شکار آپ کی خدمت میں لایا جاتا تو آپ ازراہ رحم اسے فضا میں چھوڑ دیتے تھے۔ اسی دوران قیام میں ایک ضعیف سلطان کی خدمت میں پہنچ کر شکوہ سنج ہوئی کہ ایک سرکاری آدمی نے اس کے دی کا استعمال بالجبر کر لیا ہے۔ اس شکایت کو سنتے ہی حکم سلطانی نے سارے سپاہیوں کو فوراً ایک جگہ جمع کر دیا اور ضعیف نے اصل مجرم کی شناخت بھی کی لیکن مجرم کے انکار پر وہ کوئی شہادت نہ پیش کر سکی۔ ایسی صورت میں ضعیف تاب سلطان نے یہ حسن تدبیر اختیار فرمائی کہ استغفار کے ذریعہ تازہ دی کو شکم سے باہر نکلوا دیا اور جرم ثابت ہو جانے پر مناسب تادیبی کاروائی بھی

ترک سلطنت

مثلاً مشہور ہے کہ دن گذرتے کچھ نہیں جاتے۔ سلطان اوحید الدین سید اشرف عبدالرحیم کو فرمانروائی کرتے دس (۱۰) یا بیس (۲۰) برس (۱) گذر گئے اور پتہ نہ چلا۔ اب وہ وقت آ گیا جس کی تمنا سلطان کو ہمیشہ سے تھی مگر عام بشریت اُس کے سمجھنے سے عاجز ہے، ہم تو گرد و پیش پر جب نظر کرتے ہیں تو کوئی چھوٹی بڑی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جو کی۔ (لٹائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱)

سلطان کے عہد خلافت کا دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ مسافروں کی جماعت کے ایک فرد نے اپنی جماعت پر دربار سلطانی میں یہ اصرار کیا کہ اس کی کمر سے ہندھی ہوئی چالیس اشرفیاں غفلت میں نکال لی گئی ہیں۔ جب مسافروں کی جماعت نے حاضر دربار ہو کر جرم سے انکار کیا اور اپنی بے گناہی کے لئے قسمیں کھائی تو سلطان نے اتمام حجت شرعی کے باوجود ایک حکمت عملی کے پیش نظر ہر مسافر کے قلب پر ہاتھ رکھا تو حقیقی مجرم کا اختلاج و التہاب دفع ہو گیا۔ اس نفسیاتی طرز عمل سے جرم آشکارا ہو گیا اور مجرم نے درباری حلال سے سرعوب ہو کر جرم کا اعتراف و اقرار کر لیا۔ جب اس نے زور سرد کو نکالا تو ایک اشرفی شامیں کم ہوئی جو خرچ ہو گئی تھی۔

(لٹائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱، ۹۲)

تیسرا واقعہ مغلوں سے ایک جہاد کا ہے جس میں بالآخر سلطان کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ اسی جہاد میں پچاس ہزار مثلاً سپاہی مارے گئے اور حضرت حاجی نظام بخاری یعنی جامع لٹائف اشرفی کے لفظوں میں ”نوجی اور مقتول سے میدان جنگ اور نیلے برابر ہو گئے تھے“۔ بالی غنیمت میں بیس ہزار سے زیادہ غلام، آٹھ ہاتھی اور بے شمار چوپائے نیز جنگی اسلحہ اسلامی فوج کو میسر آئے۔ لٹائف اشرفی میں اس جہاد کا ذکر ادبی حسن و شکوہ کے ساتھ کئی صفحات پر مشتمل ہے۔

(ملاحظہ ہو: لٹائف اشرفی ج ۲ ص ۱۱۱ تا ۱۱۷)

۱۔ حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ کی خلافت کی مدت دس (۱۰) سال ہے۔ ۲۳ھ میں یعنی فرغت غلشی کے دوسرے ہی سال حضرت عبدالرحیم کے والد بزرگوار سلطان سید ابراہیم عبدالرحیم کا انتقال ہو گیا، پھر شاہی رسم کے مطابق امرائے سلطنت و علماء دین ملک نے ۲۴ھ میں سال حضرت عبدالرحیم کو تخت سمنان کا فرمانروا بنایا۔ خزینۃ الاسماء، ج ۱ ص ۱۷۱ میں ہے کہ ”پندرہالی قدوسی سلطان ابراہیم بادشاہ سمنان بود چون اوقات کردوی بر تخت سلطنت اجلاس نمود“ ۳۳ھ میں حضرت عبدالرحیم نے ترک سلطنت فرمایا۔ اس اعتبار سے مدت خلافت دس (۱۰) ہی سال ہوتی ہے لیکن حضرت عبدالرحیم کی ولی مہدی کا زمانہ بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو بیس (۲۰) سال پورے ہو جاتے ہیں۔

راحت دنیا سے متفر ہو اور جسے سامانِ عیش کا لے کھاتا ہو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تخت و تاج، خود مختاری اور سوراخ کے لئے لوگوں نے ایمان کو قربان کر دیا ہے۔ اور ایک ایک دھربلکے ایک ایک دانہ پر روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں مگر اپنی چیز نہیں چھوڑتے۔ امیر ہو یا غریب کبھی چاہتے ہیں کہ موجودہ حالت سے بہتر آرام کا سامان مہیا ہو جائے اس کے لئے خواہ انسان کے خون کی ندیاں بہہ جائیں خواہ زندہ ہستیاں کھڑی جلادی جائیں مگر اپنا جہنم بھرا ہی رہے اور سچ پوچھو تو بیدینی و گمراہی اور نیکیوں سے سستی اسی زوال دنیا کے چولی دامن کا نام ہے۔ کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا اور الوہیت کی ڈیگ مارتا ہے تو دوسرا اللہ و رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار میں بدزبانیاں اور منہ زوریاں دکھاتا ہے کہ چار آدمی میں نام بڑھے اور فرقہ بندی کر کے چار پیسے پیدا کئے جائیں تاکہ دنیا آرام سے گذرے۔ کیا جتنے موٹر اور فشن گاڑیاں تھیٹر کے دروازے پر نظر آتی ہیں مسجد کے دروازے پر بھی ہوتی ہیں، ہرگز نہیں۔ کیونکہ راحت دنیا نے امیروں کے پاؤں میں بسی جکڑ دی ہے اور اُن کا قدم مسجد کی طرف بڑھنے سے روک دیا ہے۔ کسی غریب کسان سے پوچھو کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتا ہے کہ کھانے کمانے سے چھٹی نہیں ملتی۔ غرض امیر، غریب سب دنیا پر اس طرح فریفتہ ہیں کہ تہذیب و تمدن کسی کی پرواہ نہیں ہے اور نہ غریب دین کبھی بھولے سے یاد پڑتا ہے، چھوٹے بڑے یہی کہا کرتے ہیں کہ۔

یاں تو آرام سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ تو عوام کا حال ہے اور خواص جو بیچ وقتہ نماز کے پابند، روزہ کے عادی، حاجی، حافظ، مولوی صاحب وغیرہ وغیرہ ہیں، ہم تو نہیں دیکھتے کہ اُن کو آرام و راحت سے نفرت ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ زمین، جائداد، دولت، حکومت سے اسلام نے نفرت کی تعلیم نہیں

دی ہے اور بعض حالات میں یہ چیزیں اسلام کو بہت پسند آتی ہیں تاج و تخت والے اور زمیندار و تعلقدار کی فہرست میں بھی اللہ کے پیاروں کے نام ہیں اور بلاشبہ کسب دولت پر اعتراض کرنا اور فقر و درویشی کے لئے ناداری یا مالی کمزوری کو ضروری جان کر ارباب کسب کی نکتہ چینی کرنا سخت جہالت اور نہایت درجہ حماقت ہے مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا قلب و جگر تھا جس کے سر پر شاہی تاج ہے اور جس کے قدموں کا روندنا ہوا تخت سلطنت ہے، پیسہ، روپیہ، زمین اور جائیداد کا کیا ذکر ہے آزاد حکومت کا زریں تاج اور خزانہ شاہی کا زبردست سرمایہ اور وسیع حکومت پر کامل اقتدار اسے کچھ نہیں بھاتا اور عیش کی گھڑیاں اُس کو ستاتی رہتی ہیں۔ ہم تو جب گردن جھکا کر سوچتے ہیں کہ اپنا ایک پیسہ بھی چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور اپنے کھیت کی ایک گھاس کوئی اکھاڑے تو ہم فوجداری کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور اُس کی عزت، دولت اور جان ہماری نگاہ میں گھاس برابر بھی نہیں رہتی تو بیساختہ دل کہتا ہے کہ ترک سلطنت ایک خرق عادت اور کرامت ہے اور عام بشریت کی قوت سے بالاتر بات ہے اس کے لئے اس برگزیدہ ہستی کی ہمت درکار ہے، جس کی جہانگیری کا آوازہ ملاء اعلیٰ میں بلند ہو چکا ہو اور جس کا طائر ہمت عرش پر پرواز کر رہا ہو۔ افواج قدس جس کی پاسبانی کر رہی ہو اور قلعہ ولایت جس کی حفاظت کے لئے ہو۔ قصر قطبیت میں اُس کا مسکن ہو اور خزانہ کرامت پر اس کا اقتدار ہو۔ تخت ارشاد جس کا پامال ہو اور تاج غوثیت جس کے سر پر جگمگاتا ہو اور محبوبیت کا جامہ جس کے بدن پر زیب دیتا ہو اور سچ تو یہ ہے کہ ترک سلطنت کرنے والے کی حقیقت کا سمجھنا ہم سے دشوار ہے۔ بس آفریں ہے ایسے قلب و جگر پر جس نے سلطنت کو گھاس پھوس کے برابر نہ سمجھا اور دنیا کو اس طرح لات مار دیا جیسے دشمن کو کان پڑ کے نکال دیا جائے ہم تو

جس قدر ترک سلطنت کی ہمت کو سوچتے ہیں اُتنا ہی سوچتے سوچتے تھک کر بدحواس ہو جاتے ہیں اور خاک سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے مگر سلطان ابوحدالدین سید اشرف علیہ السلام کو دیکھئے کہ دس (۱۰) یا بیس (۲۰) برس تاجداری کی تھی کہ ۲۷ رمضان المبارک شب قدر میں حضرت خواجہ خضر آگئے اور کہا کہ اشرف اب وقت آگیا اٹھ کھڑے ہو اور ہندوستان کی طرف چل دو تمہارے پیر تمہارا بڑا انتظار کر رہے ہیں۔ سلطان اس خبر سے خوش ہو گئے۔ نماز فجر پڑھ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال کہہ کر رخصت و اجازت سفر طلب کی۔ ماں نے ناز پر وردہ فرزند کو خوشی سے الوداع کہا اور فرمایا کہ جان مادر! تمہارے نانا حضرت احمد یسوی علیہ السلام نے تمہاری پیدائش سے پہلے مجھ سے خواب میں فرمایا تھا کہ تیرے پٹن سے آفتاب غوثیت نکلے گا، جاؤ تم کو تمام عالم کی فریادری مبارک ہو۔ سلطان نے اپنے چھوٹے بھائی سلطان مولانا سید محمد علیہ السلام کو تخت و تاج دیا اور سب سے منہ موڑ کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۱)

سفر ارادت اور تنہائی

تارک السلطنت مولانا السلطان علیہ السلام مادرِ مشفقہ کی اجازت لے کر محسرا سے نکلے اور شاہی تاج و لباس کو اتار کر تہ بند باندھا اور ایک کمل اوڑھ لیا اب نہ تاج رہا نہ لباس فاخرہ رہا جس سر پر ابھی تاج شاہی جگمگاتا تھا وہ طلبِ مولیٰ میں برہنہ ہو گیا جو جسم

۱۔ حضرت بندگی نظام الدین ایشوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت امیر کبیر سید اشرف جہانگیر علیہ السلام را بخلاف حیران و بے سلطان حی سطلق گویند زیرا کہ سلطنت ظاہری ہم مداشت“ اور حضرت ملک محمد جاسی علیہ السلام کا قول ہے کہ ”در صدیقین امت محمدیہ علیہ السلام دو کس بہ سبب ترک سلطنت بزرگ اولیاء اللہ فضیلت دارند۔ اول سلطان التارکین خواجہ ابراہیم اوہم رضی اللہ عنہ دوم سلطان سید اشرف جہانگیر علیہ السلام (مخالف اشرفی ورق ۱۱۳)۔

شاہی لباس سے آراستہ تھا وہ راہ حق میں کمل پوش ہو گیا جس کا تخت شاہی پامال تھا وہ تلاش محبوب کو پایادہ تیار ہو گیا غرض اسی شکل میں آپ نے تمام وزراء و امراء، عمائد و خواص علماء سے وداعی معافہ و مصافحہ کیا ادنیٰ اور اعلیٰ زیارت کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے اور روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ سلطان سید محمد عبداللہ بڑے بھائی کی جدائی سے رورہے تھے اور سینہ سے لپٹ کر اس طرح پکڑے ہوئے تھے کہ گویا چھوڑنے کا ارادہ ہی نہ تھا، خود تارک سلطنت مولانا السلطان عبداللہ اس منظر سے متاثر ہوئے اور بھائی کے گریہ و زاری سے آبدیدہ ہو گئے لوگوں نے سمجھا بجھا کر بھائی کو بھائی سے نامعلوم زمانے تک کے لئے جدا کر دیا۔ سلطان نے اپنی سواری کے خاص گھوڑے کو لیا، اس پر سوار ہوئے مہربان ماں کے حکم سے بارہ ہزار لشکری آپ کے ساتھ ہوئے جن میں دو ہزار ایسے تھے جو ہمیشہ سیر و شکار میں مولانا السلطان عبداللہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے حضرت شیخ علماء الدولہ سمنانی عبداللہ بھی چند منزل رخصت کرنے کے لئے چلے آئے تھے سمنان سے نکلتے ہی مولانا السلطان عبداللہ پر جذب و وجد کا پم کیف غلبہ طاری ہوا اور فی البدیہہ آپ نے یہ غزل فرمائی:

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی	محرم اسرار باجاناں شوی
پاہ تخت و تاج و سرور راہ نہ	تا سزائے کشور یزدان شوی
چیست دنیا کہنہ و پرانہ	درہ آباد ایں دیراں شوی
تا بکے دردام دنیا ہائے بند	در ہوائے دانہ پراں شوی
دام قانی بر گسل از پائے جاں	تو تو واصل باقی از سجان شوی
بر گذر از خواب و خور مردانہ وار	تا براہ عشق چوں مرداں شوی

گر نہی پا برسر اورنگ جاہ تارکش چوں اشرف سمنای شوی
 بارہ ہزار فوجی جو ساتھ تھے اُن کو تیسری منزل سے رخصت کر دیا صرف عبید نامی ایک شخص
 رہ گیا جس کی اکثر ضرورت بھی رہتی تھی اور وہ خود بھی ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جب آپ
 اس کو اجازت رخصت کی دیتے تو وہ قدموں سے لپٹ کر رونے لگتا مگر آپ نے بڑے
 اصرار سے اُس کو مجبور ہی فرما دیا اور سمنان واپس کر دیا۔ کچھ لوگ ملک ماوراء النہر تک بھی
 ساتھ چلے آئے تھے آپ نے یہاں سے سب کو واپس فرما دیا صرف دو ہمراہیوں کو ساتھ
 لے لیا۔ چلتے چلتے بخارا پہونچے تو ایک ہوشیار مجذوب کا سامنا ہو گیا، مجذوب نے مولانا
 السلطان عبد اللہ کا سر پکڑا اور اپنا سر اُس پر رگڑنے لگے۔ اس حرکت سے سلطان عبد اللہ پر
 ایک طرح کی غشی طاری ہو گئی، مجذوب صاحب ہٹ گئے اور پورب کی طرف اشارہ کر
 کے کہا کہ ادھر جلد جلد جاؤ۔

مولانا السلطان عبد اللہ دونوں ہمراہیوں کے ساتھ مشرق کی طرف چلے اور بلا
 توقف جلد جلد مسافت طے فرمانے لگے۔ راستے میں شہر سمرقند ملا یہاں شیخ الاسلام نے
 تاڑ لیا کہ یہ شاہی شان کے مہمان ہیں، دعوت میں بڑا تکلف کیا اس تکلف سے مولانا
 السلطان عبد اللہ کو سخت تکلیف ہوئی اور فرمایا کہ فقیروں کو ان تکلفات کے جھگڑوں سے کیا
 مطلب ہے آپ نے سمرقند سے نکلنے ہی دونوں ساتھیوں کے گھوڑے ایک غریب کو
 دیدیئے اور اپنی سواری کا گھوڑا بھی ایک محتاج کو دے ڈالا اور فرمایا کہ گھوڑوں کو علیحدہ
 کر دینا بہتر ہے نہیں تو درویشوں کو رسوا کر ڈالیں گے۔ اب مولانا السلطان عبد اللہ جن
 کے قدم چند روز پیشتر تخت سلطانی کو پامال کر رہے تھے اور جن کو دو قدم بھی پیدل چلنا نہیں
 پڑا تھا جن کے لئے سواری کا ہجوم دروازے پر رہتا تھا آج ایک دور دراز مسافت طے

کرنے کے لئے پاپیادہ تیار ہو گئے۔ زمانہ شاہی کی صرف ایک بچی بچائی نشانی بھی آج دور کر دی گئی، گھوڑا جدا کر دیا گیا اور پیدل سفر اختیار فرمایا۔ رات ایک گاؤں میں بسر ہوئی۔ تھکان سفر سے گہری نیند آئی، آدھی رات کو آنکھ کھلی تو دونوں ساتھی سو رہے تھے، آپ نے خیال کیا کہ ان دونوں کو بھی واپس کر دینا اچھا ہے جب پوری تنہائی ہوگی تو عالم تجرید کا فیضان زیادہ ہوگا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ نے دونوں ہمراہیوں کو وہاں سے واپس کر دیا اور تنہا تلاش شیخ کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

تنہائی کیا چیز ہے اس کو آپ اپنے دل سے پوچھے اہل دنیا کیلئے بڑی سے بڑی بلا اور سخت سے سخت عذاب تنہائی ہے۔ لوگ اس کو بیکسی کہتے ہیں اور تنہائی کا نام سن کر رو پڑتے ہیں۔ تعزیرات حکومت میں قید تنہائی کی سزا سخت سزا سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دو گھنٹے کے سفر کے لئے کوئی ساتھی نہیں ہوتا تو ایک ایک قدم بھاری ہو جاتا ہے اور طبیعت گھبرا گھبرا اٹھتی ہے مگر مولانا السلطان عبدلہ کو دیکھئے جو کچھ دن پہلے امراء و وزراء کے جہر مٹ میں رہتے تھے اور امیر و غریب کا جہوم جن کے پاس جمع رہتا تھا، جن کے گھر رات دن آدمیوں کا میلہ لگا رہتا تھا اور جو ایک ساعت کے لئے بھی زمانہ پیدائش سے لے کر تنہا نہ رہے وہ آج خوشی سے بالکل یکہ و تنہا ہو گئے اور نادیدہ راہ پر جس کی انتہا سے بے خبری ہے اکیلے چل کھڑے ہوئے۔ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور اس کے سوا دوسرے کو ساتھی بنانا بڑی غلطی ہے۔ عالم تجرید و تفرید تنہائی چاہتی ہے اور یہ تنہائی بیکسی نہیں ہے بلکہ یکائی ہے۔

ہندوستان میں ورود اور تکمیل ارادت

سمرقند سے نکل کر جس گاؤں سے مولانا السلطان عبدلہ اکیلے اور پاپیادہ

سفر فرمانے لگے وہاں سے آپ کے جذبہ ارادت و شوق بیعت کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور شیخ کی تلاش اور پیرومرشد کی جستجو کے خیال کا غلبہ ہوا۔ آپ تھے تو سفر میں مگر آنکھ دیکھتے کوئی آپ کے آگے پیچھے نہ تھا نہ کسی سے بات چیت کرنا نہ کسی کی گفتگو سننا، چپ چاپ راستہ کاٹنے کے سوا کوئی آپ کا کام نہ تھا گویا ہر گھڑی آپ کو چلتے پھرتے خلوت نصیب تھی جس میں ذکر خدا اور رسول ﷺ اور خیال مرشد کے سوا کسی کی گنجائش نہ تھی، آپ کا قدم قدم میدانِ محبت میں پڑ رہا تھا اور راہ کا ہر خار، گل بوٹا نظر آ رہا تھا نہ پیدل چلنا بار معلوم ہوتا تھا نہ ظاہری تنہائی کی گھبراہٹ تھی۔ بس ایک طلب شیخ کے دریا میں غواصی کرتے، عرصہ اخلاص و محبت کے بیابان کو طے کرتے، نیا دانہ کھاتے، نیا پانی پیتے سیدھے پورب کی طرف آپ جارہے تھے اور جلد جلد قدم بڑھا رہے تھے کہ آپ کو مہینوں بعد ہندوستان پہنچنا ہوا۔

ملتان کے قریب اوچہ شریف (۱) میں آپ پہنچے تو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مخدوم علیہ (رحمہ) نے فرمایا کہ

۱۔..... مختلف تذکروں میں اس مقام کا نام اوچہ، اوچہ، اچہ یا اوچ بتایا جاتا ہے جو آٹھویں صدی ہجری کا شہر تھا۔ اب یہ ایک قریہ ہے اور اس کا موجودہ نام اُچ ہے لیکن آج بھی یہ مقدس مقام زیارت گاہ خلائق ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ (رحمہ) کے روحانی تصرفات کی آماجگاہ ہے۔

۲۔..... حضرت مخدوم سید جلال بخاری جہانیاں جہاں گشت علیہ (رحمہ) (المتوفی ۸۵ھ) ایک عظیم المرتبت شخصیت کے حامل تھے۔ انھیں ایک طرف علوم اسلامیہ میں غیر معمولی استعداد تھی اور دوسری جانب وہ طریقت و تصوف کے آشنائے رموز و اسرار تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ (رحمہ) فرماتے ہیں کہ ”جامع ست میاں علم و ولایت و سیادت“ (اخبار الاخیار ص ۱۴۲) اسی طرح دوسرے تذکرہ نگار کا ارشاد ہے کہ ”ظاہری علم اور باطنی معلومات سب کچھ آپ کو حاصل تھی“ (ذکار بار ص ۱۱۲)۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ (رحمہ) ۱۵ شعبان ۱۰۷۷ھ کو اس دار فانی میں تشریف لائے۔ انہوں نے اپنی ۸۷ سالہ زندگی میں تمام بلاد اسلامیہ کی سیاحت فرمائی اور اپنے وقت کے علمائے عظام اور

مشائخ کبار سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ چنانچہ صاحب اخبار الاخبار رقبہ اڑہیں کہ ”سیاحت بسیار کردہ و از بسیاری ازدالیاء نعت و برکت یافت..... و خلیفہ چہارودہ خانوادہ بود۔“

گزارابرار مصنفہ مولوی محمد غوثی کا اردو ترجمہ اذکار ابرار (مطبوعہ) میرے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے ص ۱۱۳، ۱۱۴ پر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام کی تحصیل خلاست کا ذکر چودہ خانوادوں کے بجائے پندرہ خانوادوں سے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن کی ترتیب یہ ہے:

حضرت سید کبیر بخاری (پدر بزرگوار) حضرت سید محمد بخاری اور بقول صاحب اخبار الاخبار حضرت شیخ صدر الدین بخاری (عم محترم) حضرت شیخ رکن الدین البروج، حضرت شیخ الاسلام محمود شاہ، حضرت امام عبداللہ یافعی، حضرت شیخ ابوعبید یحییٰ، حضرت شیخ نور الدین علی ابن عبداللہ طرابلسی، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر، حضرت شیخ قسطنطین الدین منور، حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی، حضرت نصیر الدلیا، چراغ ادری، حضرت شیخ رکن الدین منجی، حضرت سید جلال اوجوی، حضرت سید حمید الدین محمود چشتی سرقدی، اور حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی علیہ السلام۔ اس اعتبار سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام نے پندرہ خانوادوں سے خلافت حاصل فرمائی تھی۔

پیش نظر کتاب (اذکار ابرار) کے ص ۱۱۳ پر یہ بھی تحریر ہے کہ ”ان کے سوا اور خلفائیں جو صحت کے درجہ کو نہیں پہنچے ہیں، بہت سی ہیں“..... حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام کے ملفوظات کا مجموعہ خزانہ جلالی کے نام سے ہے اور شیخ جمال نامی ایک مرید نے بھی حضرت مخدوم علیہ السلام کی شنیدہ و غیر شنیدہ باتوں کو جامع العلوم جلالی کے نام سے مرتب کیا تھا جن کے مطالعے سے حضرت مخدوم علیہ السلام کی جلالت علی اور عالی مقامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ (اخبار الاخبار، اذکار ابرار)۔

واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ شہر آج پہونچ کر تین دن تک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام کے مہمان رہے، یہاں آپ نے عجاہبات کا مشاہدہ فرمایا اور نعمت ہائے کونامگوں سے مالا مال ہوئے۔ محاکف اشرفی میں مذکور ہے کہ ”در خطہ اچہ بشر ف خدمت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف گشت و نعمت قطیعت و غوثیت و شرف اجازت و خلافت سلسلہ قادریہ حاصل نمود ہنگام رخصت ذکر بحر حلقہ اصحاب و تعویذ غفوری برائے جملہ امور بدست آوردہ نعمت ہائے متوافرہ کہ از اکابر روزگار و اعظم دیار و معاصر بحضرت مخدوم جہانیاں رسیدہ بود و نصیب دے گشت۔“ (مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو ملفوظات اشرفی ج ۲ ص ۹۴، خزینۃ الاسماء ج ۲ ص ۲۵۷-۲۵۸)۔

عرصہ کے بعد ایک طالب صادق کی مہک نے دماغ کو معطر کیا ہے اور ایک زمانہ کے بعد ایک فرزند رسول ﷺ کے دیدار نے سرور کیا ہے۔ اے سلطان سید اشرف عبد الرحمن! بس جلدی کرو اور دربار شیخ میں بجلت حاضر ہو، میرے بھائی حضرت شیخ علاء الحق والدین عبد الرحمن (۱) تمہارا انتظار کر رہے ہیں جب آپ نے اپنے برکات و نعمات سے آپ کو مالا مال کر دیا تو آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور منزلیں طے کرتے دہلی پہنچے۔ یہاں ایک ماہ صورت بزرگ طے اچھڑایا کہ اے اشرف! دیکھو بڑی جلدی کرو، راستہ میں کہیں نہ ٹھہرو، میرے برادر حضرت شیخ علاء الحق والدین عبد الرحمن تمہارے بچہ منتظر ہیں۔ آپ دارالسلطنت دہلی سے بھی نکل پڑے اور تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے لگے۔ راستہ میں بہار شریف ملا، جس دن آپ بہار شریف پہنچے تھے اسی دن حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (۲) کا وصال ہوا تھا۔ اختلاف روایات کی وجہ سے

۱۔۔۔۔۔ سلطان المرشدین حضرت شیخ علاء الحق والدین قدس سرہ (المتوفی ۸۰۰ھ) حضرت شیخ سراج الدین عثمان مشہور باخی سراج قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت اخئی سراج عبد الرحمن کو حضرت محبوب الہی شیخ نظام الدین اولیاء عبد الرحمن نے سند خلافت دے کر ”آئینہ ہند“ کا خطاب عطا فرمایا تھا (ملاحظہ ہواخبار الاخبار، مراۃ الاسرار، اذکار ابرار، سیر الاولیاء، مدوضۃ الاقطاب وغیرہ)

حضرت اخئی سراج عبد الرحمن (رحمہم اللہ) کے فیضان نظر کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت شیخ علاء الحق سلطان المرشدین کہلائے اور بصیرت و معرفت کی اس منزل رفیع پر قیام پذیر ہوئے کہ مملکت سمنان کا سلطان (حضرت مخدوم سید اشرف چہانگیر سمنانی عبد الرحمن) تخت شاہی کو ٹھکرا کر آپ کی بارگاہ یکس پناہ میں جہین عقیدت کو بھکانے کے لئے پہنچ گیا۔ (اس سلسلے میں معارج الولاہیت اور خزینۃ الاسفیا بھی ملاحظہ ہو)

۲۔۔۔۔۔ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ بن اسرائیل منیری عبد الرحمن (المتوفی ۸۲۷ھ) ہندوستان کے مشاہیر مشائخ اور اولیاء کبیر بنیائیں اوصاف حمیدہ اور صفات صالحہ کے حامل تھے۔ بقول صاحب اخبار الاخبار ”چراغ احتیاج کہ کسی ذکر مناقب او کند“ حضرت مخدوم الملک عبد الرحمن آغا سلوک کی منزل میں اصلاح نفس کی خاطر

یہ صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آپ بہار شریف قدس مہوسی شیخ سے پہلے پہنچے تھے یا بیعت و ارادت کے بعد وہاں پہنچنا ہوا تھا مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس دن آپ بہار شریف پہنچے تھے اسی دن حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کو نور ولایت سے آپ کی آمد معلوم تھی اسی لئے سب خادموں اور وارثوں کو وصیت فرمائی تھی کہ ایک صحیح النسب سید فرزند رسول ﷺ تبارک سلطنت اور ساتوں قرأتوں کا حافظ آ رہا ہے۔ میرے جنازہ کی نماز وہی

داس کوہ میں رہا کرتے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ اپنے ایک غلام نوحا نامی کے ہاتھ کھانا بھیج دیا کرتی تھیں، لیکن آپ اپنی عبادت و ریاضت میں اس قدر سرگرم رہے کہ طعام و نادی کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا۔ (اذاکار ابراہیم ص ۹۷)

ایسی غیر معمولی ریاضت شاقہ کے بعد حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم نے ایک خضر منزل کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس فرمایا جو منازل عرفانیات کا دانا بھی ہو اور مینا بھی..... چنانچہ آپ حضرت محبوب الہی شیخ نظام الدین ادویہ قدس سرہ سے بیعت کے لئے دہلی روانہ ہوئے اور وہلی پہنچنے سے قبل ہی حضرت محبوب الہی عبدالرحیم کا وصال ہو گیا، لہذا آپ نے حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی عبدالرحیم (المتوفی ۷۳۳ھ) سے اجازت و رشد و خلافت حاصل فرمائی (اخبار الاخیار ص ۱۱۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۹۱) علاوہ ازیں ایک دوسری روایت بھی ہے کہ حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کے دہلی پہنچنے پر حضرت محبوب الہی قدس سرہ باحیات تھے اور حضرت ہی کے حکم سے حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم، حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی عبدالرحیم کے کا شانہ فیض پر حاضر ہوئے (اذاکار ابراہیم ص ۹۸، لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۷۷) حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کو کچھ کچھ پروردگار نے فرمایا کہ ”برسوں سے یہ درویش شہاری امانت تم کو دینے کے لئے فخر ہے۔“ (اخبار الاخیار ص ۱۱۸، اذاکار ابراہیم ص ۹۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۹۱) حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم نے خلافت و ارادت اور امانت و روحانی حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن مالوف کی جانب مراجعت فرمائی اور ایک طویل عرصے تک خلق خدا کے لئے چشمہ فیضان و ہدایت بنے رہے۔ اس ضمن میں صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی عبدالرحیم کے منیر شریف تشریف لانے اور حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کے جنازے کی نماز پڑھانے کا ذکر بھی با تفصیل کیا ہے لیکن اس کی زیادہ وضاحت حیات غوث العالم کے متن میں موجود ہے (نیز ملاحظہ ہو: لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۵، ۹۶)

حضرت مخدوم الملک عبدالرحیم کی تصانیف میں مکتوبات، معدن المعانی، ارشاد السالکین اور شرح آداب المریدین کو زیادہ شہرت ہے لیکن بقول صاحب الاخبار الاخیار ”از جملہ تصانیف و مکتوبات مشہور تر و لطیف ترین۔“

پڑھاویں۔ چنانچہ لوگ منتظر تھے۔ ابھی ذرا سی دیر ہوئی تھی کہ شیخ جلائی نامی ایک بزرگ آبادی سے باہر آکر تلاش کرنے لگے کہ کوئی آتا ہو۔ آپ بہار شریف پہنچتے ہی شہر میں داخل ہو گئے، شیخ جلائی نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ انھیں کی تلاش ہم کو ہے، دوڑ پوچھا کہ آپ سید ہیں۔ آپ نے بڑی عاجزی سے فرمایا کہ ہاں! اسی طرح سب علامتوں کو پوچھا جب سمجھ گئے کہ انھیں کے متعلق حضرت مخدوم الملک عبداللہؒ نے امامت کی وصیت فرمائی ہے تو آپ کو حضرت مخدوم الملک عبداللہؒ کے خلفاء سے ملایا اور جنازہ کے پاس لے گئے۔ سب لوگوں نے آپ سے نماز پڑھانے کو کہا، پہلے تو آپ نے بطور انکسار انکار فرمایا اور پھر اصرار سے مجبور ہو کر نماز پڑھائی۔ جن محققین کے نزدیک بہار شریف کی آمد بیعت سے پہلے ہے ان کا بیان ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک عبداللہؒ کے دفن سے فراغت ہوئی تو آپ کو بے چینی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ شاید یہ میرے شیخ کا جنازہ تھا، اس خیال کی تائید ایک تو اس بات سے ہوئی کہ راستے میں سب بزرگوں نے جلد جلد سفر کرنے کی تاکید کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا آخری زمانہ ہے۔ لہذا مجھ سے ضرور تاخیر ہوئی اور میں صحبت شیخ سے محروم رہ گیا دوسری تائید اس بات سے ملتی تھی کہ آپ کے خیال میں بہار شریف ملک بنگالہ کی آبادی تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ میرا پیرو مرشد بنگال میں ہے اس خیال کا آنا تھا کہ آپ کا دل تڑپ اٹھا اور مایہ آب ہونے لگا، دماغ میں قیامت خیز صورتیں ہزاروں بنتیں اور مٹ مٹ جاتیں، جگر میں ایک ٹیس اٹھتی اور بے چین کر دیتی، آپ سوچنے لگے کہ جس یار کی خاطر ملک و دیار چھوڑا، اعزہ و اقرباء چھوٹے، تخت چھوٹا، وطن چھوٹا، راج چھوٹا، آہ آہ کہ آج وہ یار و دلدار چھوٹا، ہائے وہ چھوٹا جس کے لئے سب کچھ چھوٹا۔ یہ تو بہت دیکھنے میں آیا ہے کہ پیر صاحبان موٹے موٹے مریدوں

کی تلاش میں نکلتے ہیں اور نہ پانے پر غمگین ہو جاتے ہیں مگر مولانا السلطان عبداللہ اس خوبی میں اپنی مثال نہیں رکھتے کہ مال و دولت اور گھریلو کونج کچیر کی تلاش کو نکلے ہیں اور اس خیال سے کہ پیر نہیں ملا، صدمات کی گھنگھور گھٹائیں گھر کر سامنے آگئی ہیں۔

مولانا السلطان عبداللہ کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا کہ غم کا بوجھل پہاڑ سر پر گر رہا تھا اور مصیبت کا خوفناک مجسمہ پیش نظر تھا۔ قریب تھا کہ قلب نازک پاش پاش ہو جائے اور گریبان کے ساتھ ساتھ جگر بھی چاک چاک ہو جائے کہ اسی حالت میں حضرت مخدوم الملک عبداللہ کی روحانیت آگئی اور فرمایا کہ فرزند اشرف! خاطر جمع رکھو تمہارا پیر اب تک جلوہ افروز مسند رشددہدایت ہے اور تمہارا انتظار فرما رہا ہے۔ اس خبر نے آپ کو نئی زندگی بخشی اور تمام بدن میں عید کی سی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور آپ قیام گاہ پر مطمئن تشریف لائے۔

اتنے میں خبر آئی کہ حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے مزار پر انوار سے حضرت کا ہاتھ نکل آیا ہے۔ قبر شریف کے کنارے کنارے عام و خاص کا ہجوم ہو گیا اور کسی کی سمجھ میں یہ معجزہ نہیں آیا کہ کیوں ہاتھ نکلا؟ تمام خلفاء و مریدین متحیر تھے اور کوئی بات کی تہ کو نہیں پہنچتا تھا لوگوں نے آکر مولانا السلطان عبداللہ سے سارا حال عرض کیا اور کہا کہ حضور ہی فرمائیں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ مولانا السلطان عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ کے پاس مردان غیب کی عطا کردہ ٹوپی تھی اور تم لوگوں کو وصیت فرمادی تھی کہ قبر میں اُس کو رکھ دینا مگر تم لوگ بھول گئے اُسی کو حضرت شیخ طلب فرما رہے ہیں سب نے کہا: ٹھیک ہے اور ٹوپی لے جا کر ہاتھ پر رکھ دی اُسی وقت ہاتھ قبر میں چلا گیا۔

آپ اُس رات کو حضرت مخدوم الملک عبداللہ کے مقبرہ میں رہے حضرت مخدوم الملک عبداللہ نے اپنے مکتوبات کو پڑھایا اور اپنے برکات سے لالہ مال فرمادیا اور فرمایا کہ

میرا خرقہ سب سے لے لینا۔ صبح کو آپ نے سب سے کہا کہ خرقہ شیخ مجھ کو دید و خود شیخ نے مجھ کو عطا فرمادیا ہے۔ لوگوں کو اس میں ذرا راز کاوٹ ہوئی تو فرمایا کہ خرقہ کو حضرت شیخ کی قبر پر رکھ دو جس کے نصیب کا ہوگا وہ اٹھالے گا۔ سب لوگ اس پر راضی ہوئے اور خرقہ لا کر مزار شریف پر رکھ دیا۔ پہلے مریدین و خلفا ایک ایک کر کے اٹھانے گئے مگر کسی سے نہ اٹھا، سب پسینہ پسینہ ہو گئے اور خرقہ اُن کے لئے گراں وزن پہاڑ بن گیا۔ آخر میں مولانا السلطان عبد (رحمہ) ہاتھ بڑھا کر پھول کی طرح خرقہ کو اٹھالیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں اُس خرقہ کو پہنا تو بدن پر ٹھیک اُترا اور آپ پر غلبہ و حال کا عجیب و غریب عالم طاری ہوا فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

مرا بر سر چہ بود از لطف افسر بر آمد دست مارا خرقہ در بر
آپ اسی کیفیت میں سفر فرما رہے تھے کہ پنڈوہ شریف قریب آ گیا جہاں حضرت سلطان المرشدین شیخ علاء الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ تھی اور جو اس سفر مبارک کی انتہا تھی۔ ابھی آپ پنڈوہ کی سرحد پر نہیں پہنچے تھے کہ حضرت سلطان المرشدین عبد (رحمہ) جمع میں بار بار فرمانے لگے کہ جس کا انتظار میں دو برس سے کر رہا ہوں وہ آج ہی کل میں پہنچنے والا ہے۔ حضرت کو حضرت ابوالعباس خواجہ خضر علیہ السلام نے ستر (۷۰) مرتبہ آپ کی آمد سے باخبر کیا تھا ایک دن حضرت شیخ قیلولہ فرما رہے تھے جیسے ہی آنکھ کھلی فرمایا کہ دوست کی مہک دماغ میں آرہی ہے اُسی وقت محافہ (۱) جو حضرت شیخ کو اُن کے پیر مرشد سلطان الواصلین حضرت شیخ انبی سراج الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) سے ملا تھا اُس کے تیار کرنے کا حکم صادر فرمایا، اُس محافہ پر خود رونق افروز ہوئے

۱۔ ”آزاد زبان بگالہ سنگھ سائین گیوید“ (لائف انشرفی ج ۲ ص ۹۶)

۲۔ حضرت شیخ انبی سراج علیہ الرحمۃ (المتوفی ۵۵۵ھ) حضرت محبوب الہی شیخ نظام الدین اولیاء مقدس سرہ کے مرید صادق اور خلیفہ ارشد تھے حضرت محبوب الہی مقدس سرہ نے آپ کو ”آمینہ ہند“ کا خطاب عطا فرما کر سر زمین بنگال کی اصلاح و حفاظت پر مامور کیا۔ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوہی رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے محبوب خلیفہ تھے۔

اور ایک دوسرا محاذہ خالی اپنے ساتھ لے لیا اور آبادی پنڈوہ (۱) سے باہر تشریف لے جانے لگے حضرت شیخ کے چلتے ہی سب چھوٹے بڑے نیاز مند ساتھ ہو لئے اور تمام شہر میں غل مچ گیا کہ حضرت شیخ کسی بزرگ کے استقبال کو جا رہے ہیں۔ اس خبر نے عام اہل شہر میں جوش پیدا کر دیا اور لوگ جوق در جوق گھر سے نکل کر حضرت شیخ کے ہمراہ ہو لئے۔ یہ عظیم الشان ہجوم لئے ہوئے حضرت ایک کنبھل کے درخت کے نیچے اترے اور وہاں ٹھہر گئے۔ سامنے غبار سا نظر آیا، تھوڑی دیر کے بعد معلوم کیا کہ مسافروں کا قافلہ آ رہا ہے، حضرت شیخ نے ایک خادم کو قافلے میں دریافت حال کئے لئے بھیجا اُس نے آ کر بیان کیا کہ ایک نورانی شخص ملک سمنان کے رہنے والے جن کا نام اشرف ہے حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت شیخ خوش ہو گئے اور چند قدم آگے بڑھے اُدھر سے مولانا السلطان عبدلہم دوڑے اور شیخ کے قدم پر سر کورکھ دیا۔ حضرت شیخ نے سر کو ہاتھوں سے اٹھا کر سینہ سے لپٹا لیا اور دیر تک سینہ سے لگائے رہے اس کے بعد مولانا السلطان عبدلہم سب لوگوں سے ملے اور حضرت شیخ کے سامنے باادب بیٹھ گئے اور عرض کیا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بامیدی رسد امیدوارے

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس امید کے لئے میں نکلا تھا اُس کو پا گیا۔

حضرت شیخ - فرزند اشرف! جس کے پاس تم پہنچنا چاہتے تھے وہ تمہارے ساتھ تھا ہاں یہ ضرور ہے کہ تم کو آنکھ دیکھتے جدائی کی دشوار گزار گھڑیاں کاٹنی پڑیں۔

مولانا السلطان - (گروں جھکائے ہوئے)

فراق از خویشتن بنو دارادت چو رفت از دست می باید کشیدن

زیادت از سکندر بود مارا ہوائے آب حیواں را چشیدن

۱..... پنڈوہ شریف (PUNDOOAH) صوبہ مغربی بنگال کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں امام رجب میں عرس کے موقع پر لاکھوں انسانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ کچھ چھ شریف کے ریلوے اسٹیشن اکبر پور سے پنڈوہ شریف کا فاصلہ ۸۴۸ کیلومیٹر ہے۔

چوڑہ در ہوائے روئے خورشید بسر گردیدم از بہر رسیدن
توانی زندہ کر دن مردہ را کہ جاں در جسم بے جاں بردمیدن
تن بے جاں بعیسی دم رسیدہ بعیسی دم بدم تا دم رسیدن
اے حضور مجھ پر جو گزری وہ تو گذر گئی اب قدم بوسی کی عزت نے گذشتہ مصیبتوں کو
فرا موش کر دیا ہے۔

حضرت شیخ: جس دن تم سمنان سے نکلے تھے اُسی دن سے ہر ہر منزل پر میں تمہاری نگرانی
کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تم کو اپنے پاس دیکھتا ہوں میری ساری محنت ٹھکانے لگ
گئی اچھا اب چلو یہ میرا محافہ ہے اس پر سوار ہو جاؤ۔

مولانا السلطان: حضور یہ نہیں ہو سکتا کہ آقا سوار ہو اور غلام بھی سوار ہو۔

حضرت شیخ: خیر میری خاطر سے سوار ہو جاؤ۔

مولانا السلطان: حضرت شیخ کے اصرار سے مجبور ہو گئے اور محافہ میں بیٹھ کر حضرت شیخ کے
ہمراہ چلے جیسے ہی خانقاہ نگاہوں کے سامنے آئی مولانا السلطان عبد الرحمن محافہ سے بے
اختیار کود پڑے اور حضرت شیخ کے سامنے سر جھکا کر عرض کرنے لگے۔

غزل

بار جناب دولت سر بر نہادہ ایم	رفت وجوہ بر سراں در کشادہ ایم
ظلمات راہ گرچہ بریدیم عاقبت	تشنہ بر آب چشمہ حیواں فادہ ایم
بر شاہ راہ فقر نہادیم رُخ ولے	بر عرصہ حریم چو فرزں پیادہ ایم
سر بر حریم حضرت حالی نہادہ رو	بر روئے تو کشادہ و بردرستادہ ایم
اے بر حریم عرش جناب تو ماہر سر	پا بر نہادہ ایم چہ بر تر نہادہ ایم

دارم امید مقصد عالی ز در گہت چوں در دیار غربت از یں ہم زیادہ ایم
 اشرف مس وجود خود آورد بہر زر از دولت حکیم چو اکسیر دادہ ایم
 اے سرکار ابد اقرار! اب مجھ میں بیٹھے رہنے کی تاب نہیں ہے میں تو اسی
 گستاخی سے کٹا جاتا ہوں کہ جس زمین مقدس پر سر رکھنا چاہئے تھا وہاں پاؤں پر
 کھڑا ہوں، میں ایک غریب الوطن مسافر اس بارگاہ سے مراد لینے آیا ہوں، اور
 حق عظمت ادا کرنے سے معذور ہوں۔

حضرت شیخ نے اس غزل کو غور سے سنا اور مولانا السلطان عبدلہم کے سر کو اٹھا کر
 اپنی گود میں لے لیا اور ایک ہی نگاہ کرم میں ساحل مقصود تک پہنچا دیا۔

حضرت شیخ نے خانقاہ پہنچ کر مولانا السلطان عبدلہم کو اپنے پاس قریب بٹھالیا
 اور عبداللہ نامی خادم کو حکم دیا کہ دسترخوان بچھاؤ۔ خدام پانی لے آئے اور حضرت شیخ کے
 ہاتھ کو دھلایا اس کے بعد حضرت شیخ نے مولانا السلطان عبدلہم سے فرمایا کہ فرزند اشرف!
 اب دونوں جہاں کے اغراض و مطالب سے ہاتھ دھو لو تا کہ لقاء اور وصل کا دسترخوان
 تمہارے لئے بچھایا جائے۔

مولانا السلطان عبدلہم نے فرمایا کہ اے حضور خود اپنے سے ہاتھ پہلے دھو چکا
 ہوں جب تو فرش وصال پر آج بیٹھا ہوں غرض مولانا السلطان عبدلہم نے ہاتھ دھویا اور
 پھر سب حضرات نے ہاتھ دھویا۔ دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے، حضرت
 شیخ نے اپنے مبارک ہاتھ سے چار نوائل مولانا السلطان عبدلہم کو خود کھلائے جس کو منہ

حقیقت توحید: اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کو قرآن و حدیث اور علماء اُمت کے ارشادات کی
 روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ دلائل توحید توحید اور شفاعت شانیہ کبریائی اور منصب رسالت ربوبیت
 ماسدہ اور خاصہ منافع الہی عقیدہ توحید اور جشن میلاد النبی ﷺ، عبادت اور تعظیم عبادت اور استعانت
 وحدت وتوحید بشریت وعہدیت مصطفیٰ ﷺ..... اس کتاب کے موضوعات ہیں۔ محمد نجی انصاری اشرفی کی تصنیف

میں کمال تعظیم سے مولانا السلطان عبد اللہؒ نے لے لیا۔ سب لوگ متحیر تھے کہ آج تک حضرت شیخؒ نے کسی کو اس طرح سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ دسترخوان پر سب لوگ کھانا کھا رہے تھے اور مولانا السلطان عبد اللہؒ جمال شیخؒ کا بیٹھے ہوئے نظارہ کر رہے تھے۔ آخر میں لوگ چکے ہوئے چاول لائے جو خاص طور پر پانی سے ٹھنڈے کئے گئے تھے اس کھانے کو اُس زمانے میں لوگ پن بھتہ (۱) کہا کرتے تھے حضرت شیخؒ نے چاول کو مولانا السلطان عبد اللہؒ کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ کھاؤ اس سے شربت وصال کے پیاسوں کو بڑی تسکین ہوتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔ جب کھانا ختم ہو گیا اور دسترخوان بڑھا دیا گیا تو پان کی گلو ریاں آئیں حضرت شیخؒ نے اپنے ہاتھ سے پے در پے مولانا السلطان عبد اللہؒ کو چار گلو ریاں کھلائیں۔

جب اس سے بھی فراغت ہوئی تو حضرت شیخؒ نے مولانا السلطان عبد اللہؒ کو حسب معمول بزرگان مرین کیا اور اپنے ہاتھ سے اُن کے سر پر اپنا تاج رکھ دیا اُسی وقت مولانا السلطان عبد اللہؒ نے یہ اشعار فرمائے۔

جہا وہ تاج دولت بر سر من علاء الحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داو بر آور وہ مرا از چاہ آفات
بیعت کے بعد لوگوں نے مبارک، سلامت کا آوازہ بلند کیا، مولانا علی عبد اللہؒ نے جو حضرت شیخؒ کے جلیل القدر خلیفہ تھے فی البدیہہ یہ اشعار میں اس طرح مبارکباد دی کہ
مرید عشق را از پیر ارشاد جہاں آمد مبارکباد کردہ
در آور وہ بسر قید ارادت زبند روز گار آزاد کردہ

۱۔..... آج بھی اس کھانے کا رواج بنگال میں عام ہے اور پنڈوہ شریف نیز اس کے مضافات میں تو خصوصیت کے ساتھ اس کھانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ راقم الحروف کو اکثر ایسے لوگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جو پن بھتہ کو ”غذائے جسمانی درد مانی“ دونوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

جھانگیر

سچ ہے مَنْ كَانَ لِلَّهِ كَيْفَ جِوَاللّٰهُ تَعَالٰی کا ہو رہتا ہے اُس کا اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ مولانا السلطان عبد اللہ کا اللہ والا ہونا اُسی دن دنیا کو معلوم ہو گیا تھا جبکہ شاہی اقتدار کو آپ نے ٹھوکر ماردی تھی اور تخت سلطنت کو لات مار کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اب خدا خدا کر کے وہ دن آیا کہ مولانا السلطان عبد اللہ اُس بڑی سرکار میں پہنچے جہاں کی آستانہ بوسی کی آرزو نے حکومت سے متنفر کر دیا تھا۔ راہ طلب کی کوئی دشوار گزار گھائی نہ تھی جس کو آپ نے بخوشی طے نہ فرمایا ہو اور امتحان کا کوئی شعبہ نہ تھا جس میں آپ نے نمایاں کامیابی حاصل نہ کی ہو اور اب اس کا وقت آ گیا تھا کہ اس برگزیدہ اور کامیاب ہستی کو اعلیٰ سند عطا فرمائی جائے اور تخت سمنان سے باز آنے والے مقدس وجود کو تمام جہاں پر اقتدار عطا ہو یعنی اُس بلند و بالا سرکار سے جس کے جذبات عقیدت نے مولانا السلطان عبد اللہ میں للہیت کا جوش پیدا کیا تھا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے موافق پھر مولانا السلطان عبد اللہ کا سر اقدس شاہی تاج سے مزین کیا جائے اور شاہی خلعت سے جسم مبارک کو آراستہ کیا جائے اور پیادہ پائی کے بجائے قدم قدم پر سواری مہیا کی جائے مگر تاج وہ نہ ہو جس کی زینت کا مدار اینٹ پتھر پر ہو اور لباس وہ نہ ہو جو گھنگی اور بوسیدگی سے غیر مطمئن ہو اور سواری ایسی نہ ہو جو انتظام طلب ہو بلکہ تاج نورانی اور خلعت ربانی اور سواری میں گرد نہہائے انسانی ہوں چنانچہ جب مولانا السلطان عبد اللہ بیعت سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ ان کو ساتھ لے کر ایک حجرہ میں تشریف لے گئے۔ صرف ایک تخلیہ میں تمام نعمتوں سے مالا مال فرما دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ باہر تشریف لائے اور پھر کچھ ٹھہر کر حجرہ میں تشریف لے گئے، دیکھا تو مولانا السلطان عبد اللہ

پر عجیب و غریب کیفیت طاری تھی۔ اُسی وقت حضرت شیخ نے مولانا السلطان عبدلرحیم کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر باہر تشریف لائے اُس وقت مولانا السلطان عبدلرحیم کا چہرہ آفتاب سے زیادہ چمک رہا تھا۔ حضرت شیخ نے آپ کو اپنے پہلو میں بٹھادیا اور خود تبرکات کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور خرقہ وغیرہ تمام تبرکات جو مشائخ کرام سے آپ کو ملتا تھا ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لائے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ یہ وہ تبرکات ہیں جو مجھ کو مشائخ عظام سے ملے ہیں، برسوں سے یہ سب چیزیں بطور امانت میرے پاس رکھی تھیں اب ان تبرکات کا حقدار آگیا ہے لہذا میں ان نعمتوں کو اُن کے حوالے کرتا ہوں۔ سب نے عرض کیا حضور سے بڑھ کر اس کو کون جان سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے اُس خرقہ مبارکہ کو جو حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) نے حضرت خواجہ انجی سراج الحق والدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عطا فرمایا اور ان سے حضرت شیخ کو ملتا تھا نیز دوسرے تمام تبرکات کو مولانا السلطان عبدلرحیم کے سپرد فرما دیا۔

اس موقع پر سلسلہ واقعات میں اس امر کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا کہ جس دن مولانا السلطان عبدلرحیم کو یہ تبرکات عطا ہوئے تھے ایک فقیر آیا اور مانگنے لگا مولانا السلطان عبدلرحیم کا دست جو عطا کب سائل کو محروم پھیر سکتا تھا اسی وقت حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خرقہ اس فقیر کو عطا فرمایا لوگوں نے اس پر بڑا غل چھایا کہ

۱۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ (المتوفی ۷۲۵ھ) کی برگزیدہ شخصیت خانوادہ چشتیہ کی اشاعت و توسیع کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھی۔ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ کا شمار محبوبان و مہربان بارگاہ الہی میں ہوتا ہے اور ان کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان مملو ہے۔ حضرت سلطان المشائخ عبدلرحیم حضرت شیخ فرید الحق والدین گنج شکر جو دینی قدس سرہ (المتوفی ۷۸۵ھ) کے خلیفہ نامدار، محرم اسرار اور محبت باوقار تھے۔ (لطائف اشرفی، مرآۃ الاسرار، اخبار الاخیار، نجات الانس، فوائد الفوائد، افضل الفوائد، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، صحائف اشرفی، سیر الاولیاء وغیرہ)

تبرک کی بڑی بے قدری کی اور عطیہ، مشائخ کی عزت نہ کی بعضوں نے بطور شکایت حضرت شیخ سے جا کر عرض کیا کہ مولانا السلطان عبد اللہؒ نے خرقہ نظامیہ کو ایک فقیر کو دے دیا اور بڑی بے پرواہی برتی ہے، شیخ نے فرمایا کہ درویش کامل کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تم لوگ جا کر خود ان سے پوچھو سب لوگ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آج شیخ نے تمام اصحاب میں صرف آپ کو منتخب فرما کر نعمات عالیہ سے مشرف فرمایا اور وہ تبرکات جس کی زیارت کے لئے ہم لوگ مشتاق رہتے تھے آپ کو عطا فرمادیا مگر آپ نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور خرقہ نظامیہ کو ایک فقیر کو دے ڈالا، آخر یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ غالباً اتنا سمجھ لینا کسی پر دشوار نہیں ہے کہ خرقہ شیخ عین شیخ نہیں ہے بلکہ غیر شیخ ہے اور میں طالب شیخ ہوں غیر کو نہیں چاہتا۔ تم لوگوں کو غیر کی زیارت کا شوق تھا اور میں نے غیر کو دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے صرف عین چاہئے (۱)

مصر : فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس جواب سے لوگ ساکت ہو گئے اور راہ طلب میں اعلیٰ جذبہ کو سب نے محسوس کیا۔ غرض حضرت شیخ نے تمام تبرکات مولانا السلطان عبد اللہؒ کو مرحمت فرمائیے اور مولانا السلطان عبد اللہؒ اس کے بعد خدمت شیخ کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ یوں تو مولانا السلطان عبد اللہؒ خدمت شیخ میں بارہ سال رہے مگر پہلی مرتبہ مسلسل چار برس (۲) تک آپ وہاں رہے اس عرصہ میں بارہا آپ نے درخواست کی کہ کوئی خدمت میرے ذمہ کی

۱۔ حضرت مخدوم سنائی علیہ الرحمۃ کے اس صالح نقطہ نظر اور فکر و بصیرت میں آج بھی ہمارے لئے بہترین تعلیم و ہدایت مضمر ہے جسے عمل میں لا کر بہت ساری پیچیدگیوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ خدا کرے کہ خانوادہ اشرفیہ کے افراد و نشان کو اپنے جد اعلیٰ علیہ الرحمۃ کی عظیم فکر و عمل کا صحیح احساس ہو جائے۔

۲۔ لطائف اشرفیہ ج ۲ ص ۹۹ پر مذکور ہے ”در ملازمت حضرت مخدومی چار سال کامل گزارا“ لیکن اسی کے آگے ص ۱۰۰ پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ”دیکر دو سال دریں مبالغہ رفتہ“ اس لحاظ سے پتہ و شریف میں پہلا قیام چھ (۶) سال پر مشتمل ہے۔

جائے مگر حضرت شیخ نے کوئی خدمت نہ لی اور فرماتے رہے کہ فرزند اشرف! میں تم سے کون سا کام لوں جو کام تمہارے سپرد کروں گا اس کو خود حضرت ابو العباس خواجہ خضر آکر کریں گے۔ جس دن میں نے تم کو خرقدہ وغیرہ دیا تھا تو خواجہ خضر نے پہلے ہی سے آکر تمہارے متعلق اس قدر مجھ سے کہا کہ میں کیا کہوں۔ حضرت شیخ کو اس کی بڑی تمنا تھی کہ مولانا السلطان عبدالرحیم کے لئے کوئی لقب تجویز فرمائیں مگر آپ کو اسی کا انتظار رہتا تھا کہ غیب سے کوئی خطاب ہو۔ مولانا السلطان عبدالرحیم کی آمد کے چوتھے سال ایک شب کو جو شب برات تھی حضرت شیخ اپنے وظائف وادارہ کے معمولات سے فارغ ہو کر خلوت میں تشریف فرما ہوئے اور ایک مراقبہ فرمایا یہاں تک کہ سحر کا وقت آگیا اور درود یار سے آواز آنے لگی کہ ”جہانگیر، جہانگیر“ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ آسمانی خطاب عطا ہوا ہے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ فرزند اشرف کو خطاب جہانگیری مرحمت فرمایا گیا ہے۔ مولانا السلطان عبدالرحیم دوسرے حجرہ میں تھے، صبح کو جب نماز فجر کے لئے نکلے اور نماز پڑھی تو حضرت شیخ نے حسب معمول بعد نماز فجر سب سے مصافحہ فرمایا اور سب لوگ آپس میں مصافحہ کرنے لگے اُس دن جو مولانا السلطان عبدالرحیم سے مصافحہ کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ خطاب جہانگیری مبارک ہو اسی وقت مولانا السلطان عبدالرحیم نے فرمایا:

فقطہ

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
 کنوں گیرم جہاں معنوی را کہ فرماں آمد از شام جہانگیر
 اس چار برس کی خدمت شیخ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ ۲۷ رمضان المبارک کی
 رات کو حضرت شیخ نے فرمایا کہ فرزند اشرف کوئی نعمت ابتدائی اور انتہائی میرے پاس نہ تھی
 جسے تمکو نہ دیا ہو بس سمجھ لو کہ اب میں بالکل تم کو لبریز کر کے خشک ہو گیا ہوں۔

کہتے ہیں کہ بعض سفروں میں چند درویش نما لوگوں نے خطاب جہانگیر پر چہ میگوئیاں شروع کیں اور کمال جرأت سے خود آکر اعتراض کیا کہ آپ کا لقب جہانگیر کیوں ہے، کیا آپ دنیا بھر کے اولیاء اللہ سے بڑھ کر ہیں، جو لقب کسی کو نہ ملا وہ آپ کو کیسے ملا، اس میں غرور و نخوت کی بو آتی ہے۔ آپ نے پہلے موعظہ حسنہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ عطیہ شیخ ہے، یہ بھی سمجھا دیا کہ تم لوگ مراتب ولایت سے نا آشنا ہو کیوں اس بحث میں پڑتے ہو مگر نہ سمجھنے والے کو کوئی کیا سمجھا سکتا ہے، معترض کا جوش ٹھنڈا نہ ہوا اور زباں درازی بڑھتی گئی۔ حضرت پر جلال کا غلبہ ہوا نظر تہر ڈال کر فرمایا کہ تم اتنا سمجھنے سے عاجز ہو کہ میں جہانگیر ہوں اب میں تم کو دکھا دیتا ہوں کہ میں جہانگیر بھی ہوں اور جہانگیر بھی۔ اس ارشاد کے ساتھ ساتھ معترض و نکتہ چین کی جان نکل گئی سچ ہے (۱)

خاصان خدا خدا نباشند لیکن زخدا جدا نباشند

سفر ہند، تلاش خانقاہ و مزار ظفر آباد

حضرت شیخ کی خدمت میں مخدوم صاحب علی (رحمہ اللہ) کو جب رہتے رہتے چار برس ہو گئے اور مرتبہ ولایت میں آپ کا درجہ بلند و بالا ہو گیا تو ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا

الحمد للہ..... خزینۃ الاسفیاء میں مقام واقعہ روح آباد (کچھو چھا شریف) ظاہر کیا گیا ہے اور معترض کا نام علی قلندر بتلایا ہے جو اپنے ہمراہ پانچ سو قلندروں کو لے کر حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی مجلس میں بے ادبی کے ساتھ پہنچا اور جس نے اپنی لا طائل باتوں سے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کے مزاج لطیف میں تلکہ ر پیدا کر دیا تھا۔ بیان روایت میں صاحب غوث العالم سے کوئی خاص اختلاف نہیں البتہ علی قلندر کے مرجانے کے بعد صاحب خزینۃ الاسفیاء رقمطراز ہیں کہ ”غریبوازل مجلس برآمد و ہمراہیاں علی قلندر سرور پائے آنحضرت آوردہ مرید شہنشاہ“

(خزینۃ الاسفیاء ج ۱ ص ۶۷۷)

مذکورہ روایت کے تقابلی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف تذکرہ نگاروں نے اپنے مخصوص اسلوب بیان اور انداز فکر کے ساتھ روایتیں نقل کی ہیں اور ان میں کوئی معنوی تصادم یا اختلاف نہیں البتہ کوئی روایت کس تفصیل کا اجمال ہے اور کوئی کسی اجمال کی تفصیل، کسی روایت میں کم وضاحت ہے اور کسی میں نسبتاً زیادہ۔

کہ فرزند اشرف مثل مشہور ہے کہ دوشیر ایک جنگل میں اور دو تلواریں ایک میان میں اچھی طرح نہیں رہتیں۔ اب مجھے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے واسطے کسی مقام کو تجویز کروں جہاں تم جا کر لوگوں پر آفتاب ہدایت روشن کرو اور بے دست و پا لوگوں کی دنگیری کرو۔ تمہاری خدمت سے نادان لوگ دانا ہو جائیں اور گمراہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔

حضرت مخدوم صاحب عبداللہ نے فرمایا کہ اے حضور وطن چھوڑ کر غریب الوطنی اختیار کی، گھر بار چھوڑ کر سفر کی کلفت کو پسند کیا، ماں، بھائی، عزیز واقارب، دوست واحباب، دھن دولت سب کو چھوڑا تو صرف اس لئے کہ حضور کے قدموں سے لگا رہوں گا یہ منہ عانہ تھا کہ جس سرکار کے لئے سب کچھ چھوڑا اس کو بھی خدا نخواستہ چھوڑ دوں گا۔ اسی وقت یہ اشعار حضرت مخدوم صاحب عبداللہ نے فرمائے۔

(بیان)

کے کز دولت توفیق یزداں	بریدہ از دیار کامرانی
کشیدہ پائے از اورنگ شاہی	در یدہ پر دہ وصل یار جانی
شراب فرقت یاراں کشیدہ	شکتہ جام عیش زندگانی
نہادہ پائے در صحرائے غربت	کشیدہ دست از قاصی ودانی
بر ہمبودہ این بیدائے محنت	رسیدہ در حریم یار جانی
برائے آنکہ از خاک دو پایت	کشد چوں سرمہ در چشم عیانی
نگردم از دورت یک طرفہ العین	جدا از خاک درگاہ جہانی
مرا از در گہ عالی خدا را	مران اے سایہ انے وجانی
منم چوں سایہ و تو ہجو شخصے	چرا ایں سایہ را از شخص زانی
نگردد خل من از شخص ممتاز	گردش از تیغ صد یارم برانی
بدرگاہ تو اشرف گر بود خاک	بہ از جمشیدی و کینزدانی

کے جنازے کی شرکت فرما کر نماز میں امامت فرمائی تھی اور تبرکات و خرقہ حاصل فرمایا تھا بہر حال اس قصبہ میں شیخ شمس از ولی ایک صاحب تھے انھوں نے آپ کے سامان سفر کی شوکت کو دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ درویشوں کو ان سوار یوں کی کیا ضرورت ہے، حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کو اس دلی خطرہ سے خبر ہو گئی فرمایا کہ یہاں میں نے ان جانوروں کے باندھنے کی کیل کو زمین میں پیوست کیا ہے اپنے دل میں نہیں کیا ہے اور حضرت ابوسعید ابوالخیر کا یہ قطعہ پڑھا۔

غرض از حاصل کار راست امی یار بہر نوحے کہ ظاہر ہست گوباش
بہر کس نیست لازم راہ تجرید چو او آن تو شد تو آن او باش

غرض یوں ہی سفر کرتے اور گرم و سرد زمانہ ملاحظہ فرماتے ہوئے آپ کا قافلہ ظفر آباد (متصل جو پور) پہنچا۔ (۱) ساتھیوں نے عرض کیا کہ قیام کہاں فرمائیے ﴿.....﴾ ظفر آباد پہنچنے سے قبل حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ نے قصبہ محمد آباد گہنہ میں جواب مبلغ اعظم گڑھ میں ہے، قیام فرمایا تھا، وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت مخدوم سنائی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ”مناقب اصحاب کالمین و مراتب خلفاء راشدین“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب سب سے زیادہ تھے۔ چنانچہ مقامی علماء معترض ہوئے اور حضرت پر رخص کا الزام لگایا۔ حضرت مخدوم سنائی رحمہ اللہ نے افہام و تفہیم کی ہر ممکن صورت اختیار فرمائی لیکن احمد جو علماء معترضین کے صدر تھے، مفاہمت کے لئے راضی نہ ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت مخدوم رحمہ اللہ کے خاٹھی ہونے پر فتویٰ صادر کر دیا جائے۔ مخالف علماء نے دوسرے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد حضرت سے تعزیر کرنے کا پروگرام بنایا اور جب یہ خبر حضرت مخدوم رحمہ اللہ کو ملی تو بے حد آزر دہ خاطر ہوئے۔ دوسرے دن جب جمعہ کا وقت آیا تو طوفان نوح والی بارش ہونے لگی، لہذا کوئی شخص جامع مسجد نہ پہنچ سکا۔ اسی اثناء میں علماء معترضین کی جماعت میں بھی تفرقہ پڑ گیا اور سید خاں نامی ایک فاضل و دانشمند نے اپنی غیر معمولی ذکاوت اور فہم و فراست سے علماء کے سارے اعتراضات کی دھجیاں اڑا دیں اور جامع العلوم کی اس عبارت ”الناس اثنا الدنیا ولا یملأ الرجل علی حب آبئوہ وبنی جہنما“ سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے ایک سید کو مناقب علی علیہ السلام کا جائز حق قرار دے کر علماء معترضین کو دم بخود بنادیا۔ اس طرز عمل سے حضرت مخدوم رحمہ اللہ بہت سرد رہ گئے اور سید خاں نیز ان کی اولاد کے لئے دعائیں فرمائیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۸-۱۹ اور خزینۃ الاسنیاف)

گا۔ ارشاد فرمایا کہ معمول کے موافق مسجد میں چل کر ٹھہرو چنانچہ ظفر خاں کی مسجد میں سب لوگ اترے، سامان کو اُتار کر مسجد میں رکھا اور جانوروں کو محن مسجد میں لا کر باندھ دیا گیا۔ لوگوں نے اس نئی بات کو دیکھ کر بڑا غل بچایا اور کہنے لگے کہ عجیب درویش ہیں کہ پڑھے لکھے ہو کر جانوروں کو مسجد میں باندھ رکھا ہے۔

دو تین طالب علموں کو شوخی سوچھی اور تیار ہوئے کہ آپ سے آکر اس بارے میں گفتگو کریں جب حاضر خدمت ہوئے تو تھوڑی دیر چپ بیٹھے رہے۔ کیا دیکھا کہ سواری نے حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کی طرف کچھ اشارہ کیا آپ نے فرمایا کہ اس کو باہر لے جاؤ یہ پیشاب کرنا چاہتا ہے اتنے میں دوسرے گھوڑے نے کچھ اشارہ کیا فرمایا کہ اس کو بھی باہر لے جاؤ یہ لید کرے گا اسی طرح چند جانور باہر گئے اور فارغ ہوئے۔ آپ نے طالب علموں سے فرمایا کہ مسجد میں جانوروں کے آنے کی ممانعت اسی لئے تو ہے کہ مسجد میں کثافت نہ پھیلائیں اور ہمارے جانور اس عیب سے پاک ہیں لہذا شرط مفقود ہے پھر بھی ادب یہی ہے کہ مسجد میں جانور نہ رکھیں مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ مسافر ہیں اپنے جانوروں کی نگرانی سے معذور ہیں اسی لئے سامنے باندھ لیا ہے امید ہے تم لوگ بھی ہمارے عذر کو خیال کرو گے۔

طالب علموں نے یہ دیکھ سن کر واپسی کو مناسب خیال کیا اور لوٹ آئے۔ اسی ظفر آباد میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ بھانڈوں نے براہِ تمسخر ایک جنازہ بنایا اور ایک بھانڈ کو اس میں لٹا کر سمجھا دیا کہ جنازہ حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے پاس لے چلتا ہوں جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوں اور اللہ اکبر کہیں تو نکل کر ہنسوتا کہ ہم سب لوگ مضحکہ اڑائیں۔ بھانڈوں میں یہ جرأت بد قسمتی سے خود پیدا ہوئی تھی یا درپردہ کسی

نے شدی تھی اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بہر حال مصنوعی جنازہ لئے وہ لوگ حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے پاس روتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ حضور جنازہ حاضر ہے نماز پڑھاؤ تیجئے آپ نے اپنے ایک ہمراہی سے فرمایا کہ اجازت لے کر نماز پڑھاؤ انھوں نے وارث سے تین مرتبہ اجازت لی اور جنازہ کی نماز شروع کر دی، بھانڈوں کو انتظار رہا کہ اب مصنوعی مردہ نکل کر ٹھٹھا مارتا ہے اور وہاں اللہ اکبر کہتے ہی مصنوعی مردہ واقعی مردہ ہو گیا۔ نماز ختم ہو گئی تو مخدوم صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہی نے فرمایا کہ جنازہ لے جاؤ اور مردہ کو دفن کرو دیکھا تو واقعی اس کو مردہ پایا اور اس واقعہ کا تمام شہر میں شہرہ ہو گیا لوگ جوق در جوق دربار میں آنے لگے اور چھوٹا بڑا قدموسی پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ (۱) اس غیر معمولی شوکت دربار کو حضرت چراغ ہند رحمہ اللہ (۲) نے اچھی نظر سے نہ دیکھا، پھر دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قصبہ سرور پور کے ایک بزرگ حضرت شیخ کبیر (۳) نے فراغت غلپی کے بعد

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۷ میں معارج الولایت کے حوالے سے مذکورہ بالا حکایت درج ہے اور بیان واقعہ میں بری حد تک مماثلت اور یکسانیت ہے لیکن اس عبارت ”و خدام را نیز ہمراہ خود گرفتہ بر جنازہ تشریف آورد و خود امام شدہ تکبیر نماز گفت بحر دیکبر حضرت میر ملک الموت روح آں شریہ قبض کرد“ سے یہ فرق بھی واضح ہوتا ہے کہ خود حضرت مخدوم رحمہ اللہ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی اور اس خاص عمل میں حضرت کے کسی خادم یا ہمراہی کا کوئی دخل نہ تھا۔

۲۔ حضرت مخدوم شیخ عبدالدین چراغ ہند علیہ الرحمہ، حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانى رحمہ اللہ (التمی ۳۵۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت چراغ ہند رحمہ اللہ نے اپنے پیر مرشد کے حکم سے ظفر آباد میں سکونت اختیار فرمائی اور ایک عرصے تک مجاہدے و مکاشفے میں مصروف رہے۔ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء ”صاحب مقامات بلند و کرامات اربعہ ہزار“ بلاشبہ آپ کی متعدد کرامتوں نے صدائے انسانوں کے قلوب کی تسخیر کی اور ہزاروں ہندوگان خدا راہ را بہت پر آگئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ شیراز ہند جون پورس ۹۳۵ تا ۹۴۶ء)

۳۔ حضرت شیخ کبیر سرور پوری رحمہ اللہ (خزینۃ الاصفیاء میں سرور پوری لکھا ہے جو صحیح نہیں) حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمانی رحمہ اللہ کے چہیتہ مرید اور خلیفہ تھے۔ لطائف الاثر ج ۱ ص ۱۳ میں ہے کہ ”حضرت شیخ کبیر سرور پوری کا زلف اصحاب و کمل خلفاء ولایت مآب حضرت قدوۃ الکبریٰ (یعنی حضرت مخدوم سمانی رحمہ اللہ) اند“ حضرت شیخ کبیر رحمہ اللہ شہر کے امراء نامدار میں شمار کئے جاتے تھے اور اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی دولت سے بھی بھر پور تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۷، لطائف الاثر ج ۱ ص ۱۰۲)

راہ طلب و سلوک کی جستجو شروع کر دی تھی اور ہمیشہ مرشد کامل اور رہبرِ برحق کی تلاش میں رہتے تھے ایک رات کو خواب دیکھا تھا کہ نورانی بزرگ جن کے سرخ بال ہیں آئے ہیں اور مرید کر لیا ہے صبح کو اٹھ کر خیال کیا کہ اس ملک پر حضرت چراغ ہند عبد اللہؒ کی ولایت کا اثر ہے ممکن ہے کہ رات کو خواب میں انھیں کا جلوہ دیکھا ہو چنانچہ شیخ کبیر ظفر آباد کو چل کھڑے ہوئے اور حضرت چراغ ہند عبد اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر جو شکل خواب میں دیکھی تھی اُس کو نہ پایا چنانچہ اسی فکر اور سوچ میں کچھ دنوں ظفر آباد میں ٹھہر گئے یہی زمانہ تھا جب کہ حضرت مخدوم صاحب عبد اللہؒ کا آوازہ ظفر آباد میں بلند ہو رہا تھا اور گلی گلی، کوچہ کوچہ آپ کے ذکر مقدس سے گونج رہا تھا آپ اکثر مسجد ظفر خاں میں ساتھیوں سے فرماتے رہتے تھے کہ ایک دوست کی مہک دماغ میں آرہی ہے مگر وہ آنے میں جلدی نہیں کرتے، لوگوں کے غیر معمولی رجحان کو دیکھ کر شیخ کبیر عبد اللہؒ کے دل میں آئی کہ ان مسافرِ درویش کی زیارت کرنی چاہئے چنانچہ وہ مسجد ظفر خاں کو چلے۔

حضرت مخدوم صاحب عبد اللہؒ نماز اشراق پڑھ کر ساتھیوں میں تشریف فرما تھے ابھی شیخ کبیر عبد اللہؒ دور ہی سے دکھائی پڑے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ جس دوست کے بارے میں تم لوگوں سے میں کہا کرتا تھا وہ آگیا خادم نے اُن کے پیو بچے سے پہلے ہی روٹی اور شربت تیار کر کے رکھ لیا۔

شیخ کبیر عبد اللہؒ نے کسی قدر فاصلہ سے ہی حضرت مخدوم عبد اللہؒ کے جمالِ حقِ نما کو دیکھ کر پڑھا کہ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور قدم مبارک پر اپنا سر ڈال کر عرض کیا: مصرع یارِ درخانہ و من گردِ جہاں میگردم اور فوراً مرید ہوئے حضرت مخدوم عبد اللہؒ نے اُن کو داخل سلسلہ فرمایا اور دست

مبارک سے نان و شربت کھلایا پلایا اور انہوں نے فی البدیہہ یہ فرمایا:
فطلع

اگر چہ خضر ساں در راہ وصلت عنان را در رہ ظلمات خوردیم
ولے بعد از چشیدن آب ہر جا کنوں بر آب حیواں راہ بردیم

بیعت و ارادت کے بعد حضرت شیخ کبیر عبدلہؒ نے حاضرین سے مصافحہ کیا سب نے ان کو مبارکبادی۔ اس واقعہ کی خبر گلی گلی پھیل گئی جب اس کو حضرت چراغ ہند عبدلہؒ نے سنا تو پسند نہ کیا کہ جو شخص کل میرے پاس مرید ہونے آیا تھا وہ آج وہاں جا کر داخل سلسلہ ہو گیا بشریت کے تقاضے سے شیخ کبیر عبدلہؒ کی جانب سے کشیدگی دل میں آگئی اور حالت جلال میں فرمادیا کہ کبیر جوانی ہی میں مر جائے گا۔ حضرت شیخ کبیر کو اسی وقت معلوم ہو گیا کہ حضرت چراغ ہند عبدلہؒ جلال فرما رہے ہیں، خود حضرت مخدوم صاحب عبدلہؒ کو اس حالت کی اطلاع ہو گئی فرمایا کہ فرزند کبیر! تم کچھ نہ ڈرو کہ کبیر و ضعیف ہو کر تم مرد گے ہاں تم جو کہہ دو گے اُس میں وہ خود مبتلا ہوں گے۔ حضرت کبیر عبدلہؒ نے عاجزانہ عرض کیا کہ میں اُن کو کیا کہوں بس جو کچھ انہوں نے مجھ کو کہا ہے وہی اُن کو نصیب ہو۔ مخدوم صاحب عبدلہؒ نے شیخ کبیر کے اس ادب کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ مشیت الہی واقع ہو چکی چنانچہ دونوں کا کہا پورا ہوا۔ شیخ کبیر پچیس (۲۵) برس کی عمر میں بوڑھوں کی طرح ہو گئے اور پیرو ضعیفی کے آثار ظاہر ہو گئے اور اُن کے انتقال سے پانچ سال پہلے ہی حضرت چراغ ہند عبدلہؒ کا چراغ ہدایت گل ہو گیا۔

القضہ حضرت چراغ ہند عبدلہؒ کی کشیدگی بڑھتی گئی اور بالآخر وہ آمادہ ہوئے کہ زور تصرف سے سب کو دبا دیں۔ حضرت مخدوم صاحب عبدلہؒ مسجد میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک بارگی معلوم ہوا کہ مجلس میں آگ بھڑک اٹھی ہے، پہلے تو لوگوں نے

برداشت کیا آخر جب تاب نہ رہی تو ایک ایک کر کے سب مسجد سے نکل پڑے۔ حضرت مخدوم صاحب عبدلہ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ یہ تو صرف چراغ کی گرمی ہے جس کو ٹھنڈا کر دینا بالکل آسان ہے، سامنے لوٹا رکھا تھا فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لے کر چھینٹا دے دو چراغ بجھ جائے گا۔ یہاں پانی کا چھڑکنا تھا کہ حضرت حاجی چراغ ہند عبدلہ پانی میں ڈوب گئے اور بڑی مصیبت اٹھائی اور بزرگوں کی روحانیت سے فریاد کرنے لگے یہاں تک کہ مرتبہ بہ مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ ایک تمہارا نو مہمان دوسرے میرا فرزند تھا تم نے خود اچھا سلوک نہیں کیا، تم جا کر ان سے معافی مانگو اور ارواح طیبہ بزرگان نے آکر حضرت مخدوم صاحب عبدلہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہاں رہنا سہنا نہیں ہے نہ مجھ کو حضرت چراغ ہند عبدلہ سے کوئی تعصب ہے البتہ انہوں نے حملہ کیا اور ہم بچتے رہے، ارواح پاک نے سفارش کی کہ اب ان کی غلطی سے باز آؤ اور بالفعل دریائے گونتی سے ادھر کا حصہ ان کے لئے رہنے دو غرض اس گفتگو پر صلح ہو گئی اور حضرت چراغ ہند عبدلہ کا دل بالکل صاف ہو گیا چنانچہ وہ اکثر حضرت مخدوم صاحب عبدلہ کے پاس آنے لگے اور خود حضرت مخدوم صاحب عبدلہ بھی ان کی خانقاہ میں جانے لگے۔ ایک دوسرے کو دعوتِ طعام بھی دینے لگے اور گزشتہ واقعات بالکل فراموش ہو گئے۔ سچ ہے اچھوں کے سینے آئینے ہوتے ہیں جس میں کچھ بھی زنگ آیا تو مصقل سے بالکل جاتا رہا۔

جونپور

ظفر آباد سے نکل کر حضرت مخدوم صاحب عبدلہ جونپور پہنچے اور وہاں

سلطان ابراہیم (۱) شرقی کی مشہور و معروف مسجد میں قیام فرمایا جس کے شمال جانب اب تک آپ کا چلہ خانہ موجود ہے آپ کا حال سن کر سلطان کو قدیموسی کا بے حد شوق ہوا۔ درباریوں سے سلطان نے کہا کہ میں حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کی زیارت کا مشتاق ہوں اس وقت ملک العلماء حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۲) موجود تھے فرمایا کہ نو وارد بزرگ کے متعلق میں نے سنا ہے کہ سادات کرام سے ہیں اور ولی کامل ہیں

۱۔ سلطان ابراہیم شرقی (المتوفی ۸۳۶ھ) خاندان شرقیہ کا مشہور اور لو المعوم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے ۳۳ سالہ دور حکومت میں ملکی انتظام و انصرام اور فتوحات کا سلسلہ اتنا وسیع کیا کہ دہلی کی مرکزیت حائل ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اسکی عدالت گسٹری، علم پروری، جود و سخا اور دینی بیداری نے دو اختلاف جو پور کی شوکت و سطوت کو آسان پر پہنچا دیا تھا۔ سلطان ابراہیم ہی کے عہد میں مشائخ، علماء، فضلاء، سکھاء اور ماہرین فنون کی کثرت آمد سے ہر وقت میلہ لگا رہتا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شیراز ہند جو پور ص ۹۷ تا ۱۳۳)

سلطان ابراہیم، حضرت سید جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ السلام کا مرید تھا اور شاید اسی لئے وہ مشائخ اور علماء کا بے حد ادب و احترام اور ان کے منصب کے مطابق اعزاز کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی علیہ الرحمۃ سے اسے بے پناہ عقیدت و نیاز مندی تھی اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ بعض شاہزادوں نے حضرت مخدوم علیہ السلام کے دست حق پر بیعت حاصل کی۔ مکتوبات اشرفی کے مطالعے سے حضرت مخدوم علیہ السلام اور سلطان ابراہیم دونوں کے تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ السلام (المتوفی ۸۳۸ھ) اپنے وقت کے عالم طویل اور فاضل بے عدیل تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی، حضرت ملک العلماء کے علمی جلال و کمال سے اس قدر متاثر تھا کہ عہدہ قضاۃ کو ان کے سپرد کر دیا اور انتظامی معاملات میں ان کے گراں قدر مشوروں کا محتاج بنتا گیا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت ملک العلماء علیہ السلام تخت علیل ہو گئے اور امید زیت منقطع ہونے لگی تو سلطان ابراہیم نے جوش عقیدت اور فرط محبت میں حضرت ملک العلماء علیہ السلام کے سر سے نچا کر کے ایک پیالہ پانی پی لیا اور دعا مانگی کہ اے پروردگار عالم! ملک العلماء علیہ السلام کو شفا کے کلمہ عطا فرما اور ان کے بدلے میں مجھے مریش بنا دے۔ سلطان کی دعا بارگاہ محمدیہ میں قبول ہوئی اور ملک العلماء علیہ السلام کی وفات کے دو سال قبل ہی (۸۳۶ھ) میں سلطان ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شیراز ہند جو پور ص ۱۱۸ تا ۱۶۰)

حضرت ملک العلماء علیہ السلام کی شہرت، مقبولیت اور علمی جاہ و جلال کا اعتراف تمام تذکرہ نگاروں کو

..... احاطہ اخبار الاضارہ مانتے ہیں کہ اگرچہ در زمان اودائش منداں بودہ اند کہ استادان و شریکان اودیودہ اما شہرت

ہے۔ قاضی صاحب نے بھی آداب حاضری کا بڑا لحاظ کیا اور محافہ سے دور ہی اتر پڑے اور ساتھ کے مولویوں سے کہہ دیا کہ دیکھو وہاں جا کر اپنی مولویت کا بھرم نہ دکھانا اور چپ رہنا کیونکہ جس سید کی سرکار میں جاتے ہو اُن کی پیشانی سے ولایت کی چمک ظاہر ہوتی ہے، اس طرح سمجھا بجھا کر حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کے پاس آئے اور برجستہ یہ

نظم

قطعہ پڑھل

چہ خورشید است تاباں از جبینش کہ خورشید فلک زو ذرہ گردد
بگو ہر سید است دریائے امواج کہ دریائے جہاں چوں قطرہ گردد

حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے بھی قاضی صاحب کا چند قدم استقبال فرمایا اور ملاقات کی۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحبان کو تو بہت کچھ سمجھا بجھا دیا تھا کہ درویشوں سے حجت نہ کرنا اور اپنی قابلیت مت جتنا مگر ان مولویوں کا یہ حال تھا کہ کروٹیں بدلتے تھے اور بار بار کچھ کہنا چاہتے لیکن قاضی صاحب کے ڈر سے رُک رُک جاتے تھے۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کی محفل میں حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی علیہ السلام (۱) موجود تھے اُن کو مولوی صاحبان کی بیہکلی کا حال بطور کشف معلوم ہو گیا۔ اُن کے دل میں جن جن علوم میں جو جو شے تھے سب کو ایسا حل فرما دیا کہ مولوی صاحب کی ایک بات بھی نہ چلی۔ قاضی صاحب نے خود شیخ خوارزمی علیہ السلام کو داد دی۔ مولوی صاحبان کی بحث جب ختم ہو چکی اور دل کی بھڑاس نکل گئی تو حضرت قاضی نے حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام سے عرض کیا کہ آج سلطان المعظم شرف قدموسی کے لئے حاضر ہونے والے تھے مگر

(۱) حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی علیہ السلام (البتوئی ۵۳۵ھ) سیاح دشت علم و معرفت تھے۔ آپ نے مختلف مقامات کی سیر کی اور آخر میں حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی علیہ السلام کے عقیدت کیش بن کر خلافت حاصل کی۔ ان کی حاضر جوابی، زود گوئی، اور شکمانہ طرز گفتگو سے حضرت مخدوم علیہ السلام بہت محظوظ ہوتے تھے۔ (لطف اشرفی، ج ۱، ص ۵۱، نجات الانس ص ۳۸۸)

شرف تقدم زیارت حاصل کرنے کے لئے میں نے آج اُن کو روک دیا ہے۔ وہ کل حاضر ہوں گے اور میں بھی رہوں گا۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک آپ سلطان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں اگر سلطان آئیں گے تو آئیں وہ حاکم ہیں۔ حضرت قاضی کے جانے کے بعد حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہندوستان میں ایسا عالم میں نے کم دیکھا ہے۔

دوسرے دن حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ وظائف معمولہ سے فارغ ہو چکے تھے کہ شاہی سواری کی آمد کا اثر ظاہر ہونے لگا کہ سلطان المعظم مع شہزادگان و فوج و سپاہ کے آرہے ہیں۔ مسجد کے دروازے پر پہونچکر قاضی شہاب الدین علیہ الرحمہ نے رائے دی کہ اس مجمع کے ساتھ دربار ولایت میں جانا ٹھیک نہیں ہے مبادا آدمیوں کی کثرت سے حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو تکلیف پہونچے۔ سلطان المعظم نے اس کو مناسب خیال کیا چنانچہ سواری سے اتر کر شاہی خاندان اور علماء سلطنت سے منتخب کر کے کل بیس (۲۰) آدمی لے کر حاضر ہوئے اور کچھ ایسا دربار کا ادب کیا کہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو پسند آگیا۔ انھیں دنوں میں سلطان المعظم نے قلعہ جنادہ پر قبضہ کرنے کے لئے اسلامی فوج کو روانہ کیا تھا اور ہر وقت اسی کا تردد رہا کرتا تھا۔ دل ہی دل میں سوچا کہ کاش حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی ولایت سے مدد ملتی اور زبان سے صرف ایک قطعہ پڑھ دیا کہ

دلے کان انور است از جام جمشید رواں روشن تراز خورشید باشد

چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش کسے کورا یقین امید باشد

حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو سلطان المعظم کے دل کا حال معلوم ہو چکا تھا

سلطان کی خوش اعتقادی سے حضور بہت متاثر ہوئے اور فرمایا: بیت

گر یقین شد قدمت استوار گرد زر یا نم از آتش برآر

اگر تم حسن عقیدت سے کام لو گے تو قلعہ فتح کرنا کیا چیز ہے، دریا سے غبار اڑا سکتے ہو اور آگ سے تری نکال سکتے ہو۔ سلطان المعظم کو اس پیشین گوئی پر پورا اطمینان ہو گیا جو رخصت ہونے لگے تو سمنان کا ایک مسند ہمراہ تھا وہ سلطان کو عطا فرما دیا۔ سلطان خوش خوش دربار شاہی میں پہنچے اور تخت سلطنت پر بیٹھ کر کہا کہ واقعی جیسا سنا تھا اُس سے بڑھ کر پایا خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں ایسے بزرگوں کے قدم آئے۔ تین دن کے بعد سلطان پھر کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے خادموں نے کچھ کھانے پینے کا سامان کیا تھا اور کھانے والے ہی تھے کہ قلعہ جنادہ سے خط آ گیا کہ قلعہ فتح ہو گیا لوگوں نے سلطان المعظم کو مبارکباد دی۔ سلطان نے فرمایا کہ مبارکباد حضرت مخدوم صاحب عبد (رحمہم اللہ) کو جنہوں نے اپنے بازوئے ہمت سے فتح یاب فرمایا ہے اب سلطان کا عقیدہ پہلے سے ہزار گنا بڑھ گیا۔ عرض کیا کہ حضور میں تو حضرت میر (۱) کا مرید ہو چکا ہوں مگر حضور کے جتنے بندہ زادے ہیں وہ دست اقدس ہی پر بیعت کریں چنانچہ دو تین شاہزادے اُسی دن داخل سلسلہ اشرفیہ ہوئے۔ سلطان نے بہت کچھ چاہا کہ کوئی بڑی نذر حضرت قبول فرمائیں مگر حضرت مخدوم صاحب عبد (رحمہم اللہ) نے اس کو قبول نہ فرمایا اب سلطان کی آخری خواہش یہ ہوئی کہ حضرت مخدوم صاحب عبد (رحمہم اللہ) جو پورہی میں ہمیشہ مقیم رہیں آپ نے فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے مگر ہاں تمہاری سلطنت سے باہر گھر نہ بناؤں گا سلطان ابراہیم نے اسی کو اپنے لئے نعمت عظمیٰ سمجھا۔

جو پور میں حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو رہتے رہتے دو مہینے گزر گئے، حضرت قاضی شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت اتنی بڑھ گئی کہ اگر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن ضرور حاضر ہوتے اور اپنی تصنیف کردہ کتابیں سنا کر تصدیق حاصل کرتے۔ آپ نے بہت سی کتابوں کی تعریف فرمائی، علم نحو میں کتاب ارشاد کو بہت پسند کیا اور ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کے جادو کو جو لوگ کہتے ہیں وہ یہی ہے، علم بیان میں بدیع البیان اور فن تفسیر میں بحر مواج کو فرمایا کہ طول تحریر کا ان میں بڑا دخل ہے۔ فن شاعری میں جامع الصنائع جب پیش کیا تو حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی صاحب نے شعر و شاعری میں دخل دیا ہے، اُس وقت شیخ واحدی موجود تھے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا تھا پڑھ کر سنایا حضرت نے دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور متبسم انداز میں قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے سارے علوم تو حاصل ہی کر لئے ہیں فارسی تو شیخ واحدی (۱) کے لئے چھوڑ دیجئے۔ شیخ واحدی نے حضرت قاضی سے کہا کہ

ذقلہ

شکر علم تو بہ تیغ بیاں از عجم تا عرب گرفتہ دیار
چوں گرفتی عراق عربیت فارسی را بو احدی بگذار

کہتے ہیں کہ اس دوبارہ جو پور آنے پر حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی صاحب کو لباس خرقہ اور کتاب ہدایہ جو سمنان کی یادگار تھی عطا فرمایا تھا۔ ایک دن سب چھوٹے بڑے جمع تھے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس اب جو پور سے چلو

۱۔۔۔۔۔ حضرت شیخ واحدی، حضرت مخدوم سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادم اور ملتہ بخوش تھے۔ انہیں فارسی زبان میں پوری مہارت تھی اور بڑی برجستہ طبیعت پائی تھی۔ شعر گوئی کی طرف ان کا رجحان زیادہ تھا اور وہ دہلوی میں وہ اپنا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ (الحاکف اشرفی)

اور وہاں جلد پہونچو جہاں کے لئے حضرت پیرومرشد نے حکم دیا ہے۔ واقعہ یوں گذرا تھا کہ پنڈوہ شریف میں صبح کے وقت حضرت شیخ اور حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے، معرفت کی باتیں ہو رہی تھیں کہ یکبارگی حضرت شیخ فرمانے لگے کہ فرزند اشرف! دیکھو تمہیں اپنے مزار کی جگہ نظر آتی ہے آپ نے عرض کیا کہ حضور زیادہ دیکھنے والے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ دائرہ کی شکل میں ہر طرف سے تالاب ہے اور بیچ میں خشکی تل کی طرح نظر آ رہی ہے بس وہیں تمہارا مزار ہوگا۔

چنانچہ جو پور سے روانہ ہو کر حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے موضع کر مینی (۱) میں قیام فرمایا وہاں فرمودہ شیخ کے موافق زمین معلوم ہوئی، دو تین روز وہاں قیام رہا جب خود حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے بذات خاص موضع کی سیر فرمائی اور حوض و تالاب سب دیکھا تو آپ کو کشف ہوا کہ یہ وہ مقام نہیں ہے جس کا پتہ حضرت شیخ نے بتایا تھا یہاں سے اب چلنا چاہئے۔

روح آباد آستانہ کچھوچھ مقدسہ

حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کر مینی سے چل کر موضع بھڈوٹھ (۲) میں تشریف لائے، موضع میں آبادی سے باہر ایک باغ تھا اس میں قافلہ اترا، قرب و جوار کے سارے آدمی سن کر زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے، سب سے پہلے موضع زمیندار حضرت ملک محمود صاحب علیہ السلام (۳) نے قدمبوسی کی، حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے ان پر بہت زیادہ

۱۔ یہ موضع، کچھوچھ شریف سے ۲-۳ میل جنوب میں واقع ہے اور آج بھی وہاں کی جمیل نقای لوگوں کی تفریح گاہ ہے۔

۲۔ یہ موضع کچھوچھ شریف سے متصل ہے اور حضرت ملک محمود علیہ الرحمۃ کی اولاد یہاں آباد ہے۔

۳۔ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمانی علیہ السلام کے سریدان صادق کی قبرست میں حضرت ملک محمود علیہ السلام کا نام آتا ہے۔ حضرت مخدوم ازراہ شفقت انھیں ملک الاسرا کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ حضرت مخدوم سمانی علیہ السلام

شفقت فرمائی، دو پہر کو قیلولہ و آرام کا وقت آیا تو ایک سایہ دار آم کے درخت کے نیچے آرام فرمایا، زوال آفتاب کے بعد وہاں دھوپ آجاتی مگر درخت کی شاخ آفتاب کے ساتھ ساتھ چلتی تھی اور پورب کی شاخ دو پہر ڈھلنے پر پچھم کی طرف آگئی اور حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ پر سے سایہ نہ ہٹا آپ اٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد ملک محمود رحمہ اللہ کو ساتھ لے کر موضع کا کنارہ ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے پیرو مرشد نے مجھے یہیں کے لئے قیام کا حکم دیا ہے تمہارے نزدیک یہاں کون سی جگہ ہمارے رہنے کے لئے مناسب ہے، ملک محمود رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضور یہاں ایک جوگی بڑی اچھی جگہ رہتا ہے لیکن بڑا جادوگر ہے اگر خدام بارگاہ اُس کو نکال دیں تو بہت نفیس جگہ ہاتھ لگے گی۔ آپ نے آیہ کریمہ: قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوفًا کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ بہر حال اُس جگہ کو دیکھ بھی لینا چاہئے۔ کچھ ہمراہیوں اور ملک محمود رحمہ اللہ کو لے کر اُس مقام پر تشریف لے گئے، دیکھتے ہی فرمایا کہ بس یہی جگہ تھی جس کو حضرت شیخ نے دکھایا تھا۔ یہاں سے ان چند بیدنیوں کو نکال دینا بالکل آسان ہے ملک محمود رحمہ اللہ نے اُس وقت یہ مشہور مصرعہ پڑھا:

جائیکہ سلطان خیمہ زوغو غانماند عام را۔

حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور ایک خادم سے فرمایا کہ جوگی سے کہہ دو کہ بس بوریا بستر سنبھالے اور کہیں نکل بھاگے، خادم نے جا کر یہی کہہ دیا تو جوگی نے مغرورانہ لہجے میں کہا کہ ہمارا نکلنا کوئی مذاق نہیں ہے ہم پانسو ہیں کوئی قوت ولایت سے نکالے تو نکالے ورنہ ہمارا نکالنا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔

کے قیام اور تعمیر خانقاہ کے سلسلے میں حضرت ملک الامرا رحمہ اللہ کی جاں نثاری، ایثار و حسن تدبیر کو بڑا دخل ہے اور سلسلہ اشرفیہ کی ترویج و اشاعت میں بھی ان کی سعی و محنت کچھ کم اہم نہیں۔ (للائف اشرفیہ ج ۲ ص ۱۰۸ تا ۱۰۹)

جمال الدین رازت اسی دن حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام کے ہاتھ پر مرید ہوئے تھے آپ نے اُن سے فرمایا کہ جاؤ جو بات جوگی دیکھنا چاہے دکھا دو، جمال الدین جوگی سے بچپن ہی سے ڈرے ہوئے تھے ہمت نہ پڑی آپ نے قریب بلایا پان کی گلوری چبا کر جمال الدین کے منہ میں رکھ دیا پھر کیا تھا جمال الدین اشرفی کچھارے کے شیر بن گئے اور بہادر دوں کی طرح جوگی کے پاس چلے گئے اور نکلنے کو کہا، باہم خوب باتیں ہوئیں آخر سب جوگی کہنے لگے کہ پہلے کچھ کرامت دکھاؤ تو ایسی باتیں منھ سے نکالو، جمال الدین نے کہا کہ ہمارا کام کرامت دکھانا نہیں ہے لیکن اب تم کہتے ہو تو مجبوری ہے، اچھا بولو کیا دیکھنا چاہتے ہو۔

کہتے ہیں کہ جوگیوں کو طیش آگیا اور غصہ میں جادو کے ذریعہ چیوٹی کی فوج بنا کر بھیجا تو جمال نے کہا:

(نصاح)

سلیمانے رسیدہ باچنیں زور تو بکشاؤ برور لشکر مور

بود معلوم ہمت مور بے قیل در آں وقتہ کہ افتد در پئے پیل

جیسے ہی جمال الدین نے چیوٹی کی فوج پر غصہ کی نگاہ ڈالی تو کسی کا نام نشان بھی میدان میں نہ رہ گیا۔ پھر جوگیوں نے شیروں کی فوج بنا کر بھیجی، جمال الدین نے فرمایا کہ بھلا مصنوعی شیر بھی شیر ان حق کا مقابلہ کر سکتے ہیں چنانچہ شیر بھی میدان سے بھاگے آخر جوگی نے اپنا ٹونٹا ہوا میں اڑایا، حضرت جمال الدین نے مخدوم صاحب علیہ السلام کا عصا شریف منگا کر اوپر بھینکا عصا شریف نے جوگی کے سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیا، یہ دیکھ کر جوگی سمجھ گیا کہ اب مقابلے کی تاب نہیں ہے اور کوئی فریب کار گر نہ ہوگا آخر تنگ آ کر بولا کہ مجھ کو مخدوم صاحب کے پاس لے چلو میں ان کے ہاتھ پر

مسلمان ہونگا۔ حضرت جمال الدین جوگی کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور حضرت مخدوم صاحب عبید اللہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت نے جوگی کو کلمہ پڑھایا اور اُس کے چیلے بھی مسلمان ہوئے۔ سب لوگ اپنی مذہبی کتاب حضرت کے سامنے لائے اور آگ میں جلا کر پھونک دیا۔ حضرت نے اُن سے بڑی ریاضت کرائی اور تالاب کے کنارے اُن کی نشست کے لئے ایک جگہ مقرر فرمادی۔ کہتے ہیں کہ جوگی کے اسلام لانے پر اُس دن کوئی پانچ ہزار اشخاص مسلمان ہوئے تھے۔ (۱)

جوگی کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت نے اپنا سارا سامان اُسی مقام پر منگالیا جو پہلے جوگیوں کی جگہ تھی اور ہمراہیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ قیام گاہ تجویز فرمادیا، سب نے اپنا اپنا حجرہ بنالیا اور خانقاہ اشرفی کی تعمیر تھوڑے دنوں میں ملک محمود عبید اللہ نے کرا دی۔ قرب و جوار کے سادات کرام نے آ کر دست حق پرست پر بیعت کی۔ ملک الامرا ملک محمود عبید اللہ نے اپنی اولاد اور رعایا کو حضرت کے ہاتھ پر داخل سلسلہ اشرفیہ کیا، حضرت مخدوم صاحب عبید اللہ کی ملک محمود صاحب عبید اللہ پر بڑی عنایت رہتی تھی۔ دو تین سال میں جب خانقاہ اور اُس کے لوازم کی تعمیر ختم ہو چکی تو حضرت نے اُس کا نام روح آباد رکھا۔ کبھی کبھی حضرت روح آباد سے پورب جانب مع اصحاب کے تشریف لے جاتے اور جلوہ فرما ہو کر اسرار و معارف کی باتیں فرماتے رہتے اُس کا نام دارالامان حضرت نے رکھا۔ کبھی روح آباد سے اتر طرف تشریف لے جا کر جلوس فرماتے اس کا نام

۱۔ صاحب تذکرہ چشت فرماتے ہیں کہ ”چوں حضرت میر جہانگیر عبید اللہ بعد از سیر شہر جون پور بمقام کچھو چھو (کچھو چھا) تشریف بردود آئینا جوگی کامل بابا نصیر مد علیہ السلام کدور ہوا می پریدہ نکونت داشت میر جہانگیر عبید اللہ را بدای مقام در پیش آمد جوگی انواع انواع تصرفات خود را آنحضرت جاری کرد آخر عاجز آمد و بخیر مت حاضر آمدہ زبان تصدیق اسلام بکشاود با مریداں خود مرید گردید۔“ (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷۵)۔

روح افزا ہے اور بارہا اُس مقام کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہاں اولیاء، اوتاد، اخیار اور رجال الغیب سب آتے رہتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ تم لوگ بھی یہاں آ کر فیضیاب ہوتے رہو۔ غرض اس زمانے میں روح آباد آستانہ حضرت کچھوچھ مقدسہ کی چہل پہل بڑھ گئی اور انوار و برکات سے یہ سرزمین مقدس مالا مال ہو گئی۔ (۱)

محبوب یزادانی

سچ ہے مصرعہ۔ عشق اول دردِ دلِ معشوق پیدا می شود۔ جذباتِ محبت کا ہیجان اور وارفتگی کے آثار جس قلب و وجود میں آج دیکھو تو سمجھ لو کہ کل یہی ہستی محبت کی دیوی اور یہی وجود محبوبیت کا مجسمہ ہوگا، جو آج دائرۂ محبت کی گردش میں ہے وہ کل اس محیط کا مرکز بن جائے گا۔ اس وادی کا سیاح اگر آج مبتلائے آبلہ و خار ہے تو کل وہ محمل نشین و سوار ہو جائے گا، جو آج محبت کا بیمار ہے وہ کل مسیحاں روزگار ہوگا۔ نمک بر جراحت کا لذت آشنا پہلے قلبِ محبوب ہی ہوتا ہے۔ وستِ جنونِ عشق پہلے دامن و گریبانِ معشوق ہی کو چاک کرتا ہے۔ عشق پہلے عاشق ہی کے قلب میں چٹکیاں لیتا ہے اور نشترِ محبت پہلے محبت ہی کے جگر پر چلتا ہے، عشق کا جنون پہلے لیلیٰ ہی پر سوار ہوا تھا اور محبت کی تلخیاں پہلے شیریں ہی کے لئے ذائقہ نواز ہوئی تھیں۔ غرض عشق و محبت کا پہلا مکان قلبِ محبوب ہے اور اسی شرفِ تقدم کی بدولت جو پہلے گرفتارِ محبت ہوتا ہے، وہ اپنے دامِ محبت میں ہزاروں کو ہمیشہ گرفتار رکھتا ہے۔ اس قانون کا تعلق صرف عالمِ مجاز ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ وہ حقیقت ہے کہ عالمِ حقیقت کی بنیاد بھی اسی قاعدہ کلیہ پر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا غیر معمولی اوتیتوں پر صبر فرمانا، تبلیغِ حق پر مخالفت کا جوشِ قوم کی طرف سے ہونا، طرح طرح

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، لطائفِ اشرفی، مراۃ الاسرار، خزینۃ الصغیاء، معانیفِ اشرفی وغیرہ۔

کے ناگفتہ بہ حالات کا پیدا ہونا، ترک وطن پر مجبور ہونا، انتقام کی قوت رکھتے ہوئے جبال مصائب کا تحمل فرمانا اور اسی قسم کے واقعات اگر طلب مولیٰ و عشق الہی کی پہلی منزل تھی تو اس کے بعد اعداء کا ستیاناس ہو جانا، اقوام پر فتح پانا، ہر دلعزیزی کا خلعت پانا، دشمنوں پر عتاب و تہدید نازل ہونا، کلام محبوب سے لذت شناس ہونا اور خلعت و محبوبیت کے تاج سے سر بلند ہونا اُسی ابتدائے عشق کا لامی نتیجہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پہلے فرعون کے تفوق پر صبر کیا پھر اپنے کو سر بلند پایا، ابراہیم علیہ السلام نے پہلے نارنمود کو نار جہنم سے کم سمجھا تو اُس کو گلزار پایا، پہلے راہ مولیٰ میں لخت جگر کو گویا زنج کر ڈالا تو اپنی خلعت کی یادگار قیامت تک کے لئے چھوڑ دی۔ اور ہاں ہمارے آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ نے پہلے اعلان حق کی بنا پر زعماء اعداء میں حضرت ام بانی ﷺ کے گھر میں اپنے کو محصور پایا تو اس کے بعد پھر معراج و قرب کی محفل جمائی گئی۔

صحابہ کرام کی ابتدائی دشواریاں اور خاندان نبوت کے پہلے افراد کا اپنے لہلہاتے باغ کو لٹانا کسے نہیں معلوم! یہ حسن کے جگر کے ٹکڑوں اور حسین کے خون کے قطروں کا رنگ ہے جو باغ اسلام ہر ابھر اور مجسمہ اسلام سرخ و نظر آ رہا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (جمعیں)۔

راہ سلوک کی دشوار گزار گھاٹیوں کا حال غوث الثقلینؒ و خواجہ غریب نوازؒ سے پوچھو، طلب مولیٰ کی سنگلاخ زمین کی مصیبتوں کی کیفیت اولیاء عرب و خواجگان ہند سے دریافت کرو جن کو عشق الہی میں پابہرہ وادیہ نور دی، بیٹنی اور فاقہ کشی کی لذتوں نے غوث و قطب و محبوب بنا دیا قصص اللہ تعالیٰ سر ہم العزیز و نفعنا ببرکاتہم۔

حضرت مخدوم صاحب عبد الرحمنؒ نے عشق الہی کی راہ اور طلب مولیٰ کی سبیل میں

سب سے پہلا قدم بچپن میں ہوش سنبھالتے ہی رکھ دیا تھا اور پھر ترک سلطنت اور سفر ارادت کے مافوق الفہم واقعات نے دعویٰ محبت کی صداقت کو عالم آشکار کر دیا تھا۔ بارگاہ شیخ میں جذبات خدمت کا دفور سب پر ظاہر ہو چکا تھا۔ جہانگیری و مقبولیت کا چمکتا تاج فرق اقدس پر رکھ دیا گیا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ جس نے عاشقانہ لباس پہن کر اس میدان محبت کی مشکلات کو برداشت کیا تھا اُس کا جامہ زیب بدن محبوبیت کے لباس سے ملبوس کیا جائے اور دنیا دیکھ لے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كُنَّ لِلّٰهِ لَهٗ، جو اللہ کا ہو رہتا ہے اُس کا اللہ ہو جاتا ہے مَنْ يَحِبُّ اللّٰهَ يَحِبُّهُ اللّٰهُ جو محبت الہی کا متوالا ہوتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ۲۷/۲۷ ماہ رمضان المبارک ۸۲ھ کی رات کو روح آباد کچھو چھہ شریف میں حضرت کو شب قدر ملی مریدین و خلفاء اور قلندران و ارباب صفا کا اچھا خاصہ مجمع تھا آپ کے بھانجے اور جانشین حضرت نور العین (۱) اور خلیفہ ابن خلیفہ حضرت درتیم ابن حضرت شیخ کبیر اور خلفاء و اصحاب طیر یعنی حضرت شیخ رکن الدین

الحی..... حضرت مخدوم آفاق حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نور العین علیہ الرحمہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنائی قدس سرہ کی خالد زاد بہن کے صاحبزادے، مرید صادق، خلیفہ اعظم اور نسا خانوادہ غوثیہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید عبدالرزاق بن میر سید حسن عبدالغفور جلی بن میر سید احمد شریف بن میر سید محمد ابوالحسن شریف بن میر سید موسیٰ شریف بن میر سید علی شریف بن میر سید محمد شریف بن میر سید حسن شریف بن میر سید احمد شریف بن میر سید محمد شریف بن میر سید ابو نعیمی الدین بن میر سید ابوصالح بن میر سید عبدالرزاق بن میر سید محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الصمدانی محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹)

حضرت مخدوم سنائی قدس سرہ نے دوسری بار چار سالہ قیام پتڑوہ شریف کے بعد عالمی سیاحت کا دوبارہ قصد فرمایا اور اسی سلسلے میں قطعات عالیہ کی سیاحت فرماتے ہوئے قصبہ گیلان بھی ہوئے۔ وہاں چند روز آپ نے قیام فرمایا اور اسی اثناء میں حضرت سید عبدالرزاق جن کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی، کو آپ سے کچھ ایسی گرویدگی پیدا ہو گئی کہ بالآخر ان کے والدین نے بھی رغبت و رضا اپنے سعادتمند صاحب اقبال فرزند کو حضرت مخدوم سنائی علیہ

﴿رحمہ﴾ کی خدمت و ملازمت میں پیش کر کے اپنے سارے حقوق سے دستبرداری حاصل کر لی۔ حضرت مخدوم نے بعد جان سید زادہ کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا اور اس طرح ”سبائے دو دمان سیاہ و قربت ہائے خاندان نقابت تازہ کر بند“ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۰)

حضرت مخدوم سنانی قدس سرہ نے سید عبدالرزاق کو نور العین کا خطاب عطا فرمایا اور اپنی آنکھ و ولایت میں حضرت نور العین کی پرورش و تربیت کی۔ تمام علوم صوری و معنوی کی دولت بے کراں سے مالا مال فرما کر انھیں منجیل و ارشاد کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا۔ (محائف اشرفی، ورق ۱۳۸)

مؤلف لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ ”قرب ہی سال طریق خدمت حضرت قدوة الکبریٰ (یعنی حضرت مخدوم سنانی علیہ السلام) پروردہ و سرور حاضر بودہ دریں مدت گاہی یاد اندازد کہ حضرت ایٹاں امری فرمودہ باشند بجز سید زادہ (یعنی حضرت نور العین علیہ السلام) دیگر سبقت کردہ باشند“۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۱)

حضرت نور العین علیہ السلام کی فضیلت اور عالی مقامی کے باب میں حضرت مخدوم علیہ السلام کا یہ ارشاد و کرامی بھی قابل توجہ ہے کہ ”شیخ زادہ کم ہر جاہ یافتہ شد، من خود شیخ زادہ دارم کہ شیخ زادہ باشند و کار دا شیخ زاون باشند و دیگران از ملب میزائید عبدالرزاق را من براہ چشم زادہ ام باوجود آنکہ نسبتا دارم“۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۱، محائف اشرفی، ص ۱۲۹)

حضرت نور العین علیہ السلام کی شادی موضع نصیر آباد ضلع فیض آباد جو کچھ چھ شریف سے ۱۰ میل شمال کی جانب دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے، کے ایک سید گھرانے کی خاتون سے ہوئی تھی اور آپ کے پانچ صاحبزادے تھے جیسا کہ شاہ سید مخدوم بخش ابن شاہ سید و گاہی اشرف نے جو حضرت نور العین علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ حسین علیہ السلام کی اولاد کے بزرگوں میں سے تھے، اپنے ملفوظات میں تحریر کیا ہے کہ ”چوں حضرت مخدومی شاہ حاجی الحرمین از وطن شریف خود آوردہ علم ظاہری و باطنی تعلیم نمودند موضع نصیر آباد و کردار انجا سادات صحیح المنسب از سابق آباد بودند شادی کردند و اورا بیچ پھر عالی گہر بوجود آمدند“ (محائف اشرفی، ورق ۱۳۰)

حضرت نور العین علیہ السلام کے تمام فرزندان یعنی حضرت شاہ سید محسن الدین، حضرت شاہ سید حسن، حضرت شاہ سید حسین، حضرت شاہ سید احمد اور حضرت شاہ سید فرید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سنانی قدس سرہ نے جامہائے تبرک عنایت فرمایا جو حضرت کو مختلف بزرگان دین سے ملا تھا اور بکمال شفقت و محبت حضرت مخدوم علیہ السلام نے سارے فرزندان کے حق میں علیحدہ علیحدہ حقائق و امور و محارف و انگیز کلمات ارشاد فرمائے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۱، نیز حضرت مخدوم کے کلمات طبابت کی عالمانہ

شرح ووضاحت کے لئے ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۱۸-۱۲۰)

حضرت شاہ سید شمس الدین علیہ الرحمہ خلف اکبر نے حضرت مخدوم سمنانی قدس سرہ کی وفات کے دو سال کے بعد ۸۱۰ھ میں نانکھڑا انتقال فرمایا، اس وقت ان کی عمر تیس (۲۰) سال کی تھی۔ حضرت شاہ سید شمس الدین کی وفات کے بعد حضرت نور العین علیہ الرحمہ نے اپنی کنیت ابو الحسن رکھی اور بقول صاحب صحائف اشرفی ”فرزند دومی خود را کہ شاہ حسن نام داشت فرزند اکبر خود شمر دند“۔ حضرت نور العین علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ سید فرید علیہ الرحمہ نے بھی کچھ زیادہ عمر نہ پائی اور دو پشت کے بعد ان کی نسل ہی منقطع ہو گئی۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۰) حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور العین علیہ الرحمہ کے باقی تین فرزندان یعنی حضرت شاہ سید حسین خلف اکبر علیہ الرحمہ، حضرت شاہ سید حسین علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ سید احمد علیہ الرحمہ سے خانوادہ اشرفیہ دودہ دہانہ نوشیہ کا فروغ ہوا۔ چنانچہ آج بھی ہندوپاک کے مختلف علاقوں میں ان تینوں فرزندان نور العین علیہ الرحمہ کی اولادیں آباد ہیں اور ہر شاخ میں رسم سجادہ نشینی جدا گانہ طور پر ادا کی جاتی ہے۔ اس موقع پر حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ کا پہلی بیٹا ارشاد گرامی اور فیوض ناتناہی بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ”عبدالرزاق و فرزندان اور اسخزانہ الہی شریک ساختیم از حضرت ناتناہی درخواست کردہ ایم کہ اگر اولاد او احاد عبدالرزاق قانع بودند ہرگز کبھی محتاج نشوند باندک توجہ آنہا ہمت مردان و رکاب خواہد بود.....“ و اگر بر در مخلوق روند خوار گردند“

(لحائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲، صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹)

اسی عبارت پر بشارت اور فیض مخدومی کی بناء پر حضرت نور العین علیہ الرحمہ نے اپنی تمام زندگی میں سلطان حسین شرقی نیز کسی امیر و رئیس کی پیش کی ہوئی معافی و جاگیر کو قبول نہ کیا اور عرصہ گزشتہ قعات میں جمیع مشائخ پر سبقت حاصل فرمائی۔ (صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹) شاید حضرت نور العین علیہ الرحمہ کے انہی مخلصانہ مجاہدے اور عارقانہ ریاضت و عمل کا یہ ثمرہ تھا کہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ نے اپنے آخری نجات حیات ظاہری میں ایک خاص موقع پر بجوش مراہم خسرانہ فرمایا کہ ”فرزندان نور العین کو دوست رکھنے والا میرا دوست ہے اور ان کا دشمن میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ جمیع خاندان پشت و دودان اہل بہشت کا بدخواہ ہے“۔ (لحائف اشرفی ج ۲ ص ۳۱۱)

حضرت نور العین علیہ الرحمہ کے سند وفات پر تذکرہ نگار مختلف التخیال ہیں لیکن وفات کی تاریخ، مہینہ اور مدت عمر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سند وفات پر اختلاف رائے کی سب سے بڑی وجہ صاحب لحائف اشرفی کا یہ بیان ہے کہ ”معدونست سال عمر کمال سید عبدالرزاق یافتہ بودند، و دوازده سالہ بودند کہ بشف ملازمت مشرف شدند، چہل سال بر سر سجادہ بارشاد اصحاب طلب و اجہدائی ارباب قلب احتمال داشتند، باقی حیات صرف خدمت حضرت قدوة

الکبری شدہ (لطائف اشرفی ج ۳ ص ۳۸۱) چنانچہ بعض واقعہ نگاروں نے حضرت مخدوم سنانی قدس سرہ کے سن وفات ۸۰۸ھ میں ۳۰ سال جمع کر کے ۸۳۸ھ کو حضرت نورالعین علیہ السلام کا سنہ وفات منظور کر لیا جس کی تاریخی صحت غیر یقینی اور ناقابل اعتبار ہے۔

اس سلسلے میں پہلی دلیل یہ ہے کہ مکتوبات اشرفی کو حضرت نورالعین علیہ السلام نے مرتب فرمایا تھا اور لفظ مکتوبات سے سنہ تالیف برآمد ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۳۱) مکتوبات کے اعداد ۸۶۹ ہوتے ہیں اور اس حساب سے ۸۶۹ھ میں حضرت نورالعین علیہ السلام کے باحیات رہنے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل یہ بھی ہے: و نیز در ملفوظاتی کہ از این خاندان اسد ویدہ ام کہ وفات شریف و رسد بہشت صد و ہفتاد و ہجری (۸۷۰ھ) نوشتہ (صحائف اشرفی، ورق ۱۳۱)

تیسری دلیل یہ ہے کہ میر غلام بیگ نیرنگ مرحوم، مقدمہ صحائف اشرفی مطبوعہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کے ص ۳ پر حضرت نورالعین علیہ السلام کا سنہ وفات ۸۷۲ھ بتاتے ہیں اور وفات کا مادہ تاریخ ”مخدوم آفاق“ تحریر کیا ہے۔ اس بیان کی تصدیق و توثیق اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو قبیۃ اشرفیہ میں حضرت نورالعین علیہ السلام کے مزار سے متصل شرقی دیوار پر کندہ ہے۔ علاوہ ازیں انوار اشرفی مرتبہ حضرت حاجی المحرم مولانا سید شاہ اشرف حسین سجادہ نشین سرکار گلشن سے بھی اس دعویٰ کا اثبات ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: انوار اشرفی، ص ۱۳۱)

چوتھی دلیل کے طور پر یہ واقعہ بھی ذہن میں رکھئے کہ سلطان حسین شرقی (المتوفی ۹۰۱ھ) نے اپنے عہد سلطنت میں حضرت نورالعین علیہ السلام کی خدمت میں ایک جاگیر معافی بطور نذر پیش کرنی چاہی تھی جسے حضرت نے قبول نہ فرمایا (ملاحظہ ہو: صحائف اشرفی، ورق ۱۲۹) سلطان حسین شرقی ۶۸۷ھ میں تخت حکومت پر متمکن ہوا، لہذا ۸۶۸ھ کے قتل حضرت نورالعین علیہ السلام کا سنہ وفات کس طرح لائق اعتبار ہو سکتا ہے؟

پانچویں اور اہم دلیل یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض محال حضرت نورالعین علیہ السلام کا سنہ وفات ۸۴۸ھ تسلیم کر لیا جائے تو ان کا سنہ پیدائش لازماً ۷۲۸ھ قرار پائے گا اور بارہ سال کی عمر یعنی ۸۴۰ھ میں ان کی حضرت مخدوم سنانی علیہ السلام سے پہلی ملاقات کو بھی ماننا پڑے گا۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم سنانی علیہ السلام نے ۸۳۵ھ میں بیعت و خلافت حاصل فرمائی اور ۶ سال مسلسل ہندو شریف میں قیام فرما کر ۸۴۲ھ میں اپنے پیرو مشد کی اجازت سے ملکی اور عالمی سیاحت کا پہلا پروگرام بنایا اور جب دوسری بار عالمی سیاحت کا قصد فرمایا تو قصبہ گیلان بھی پیونچے۔ ایسی صورت میں یہ تاریخی قباحیت لازم آتی ہے کہ سالوں قبل ہی حضرت نورالعین علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ کیونکہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے؟

شاہباز و حضرت شیخ اصیل الدین سفید باز اور حضرت شیخ جمیل الدین جبرہ باز و دیگر علماء و مشائخ مثلاً حضرت قاضی رفیع الدین اودھی و حضرت شیخ شمس الدین اودھی و حضرت شیخ عارف و حضرت شیخ معروف و حضرت ملک محمود وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی رات کی بیداری میں حاضر تھے، مطلع فجر کے وقت سب لوگوں نے سنا کہ ہاتف نبی نے ندا دی کہ ”اشرف ہمارا محبوب ہے۔“

اس مرثوہ جانفزا کو سنتے ہی خانقاہ اشرفی میں عید کا سماں کھینچ گیا اور نیاز مند ان بارگاہ کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مبارک اور سلامت کے نعروں کی آواز باز گشت آسمان سے آنے لگی اور شب قدر کی برکات نے سب کو حسب مراتب مالا مال کر دیا۔ حضرت مخدوم صاحب حبیب الرحمن کی عادت کریمہ تھی کہ روزانہ نماز فجر مکہ معظمہ میں ادا فرماتے تھے اور طے زمان و مکان کی

ان سارے شواہد کی بنیادوں پر اقام الحروف کا خیال یہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں سے صاحب لطائف اشرفی کا مفہوم اخذ کرنے میں لغزش ہو گئی ہے اور تاریخی مطابقت کو نظر انداز کر دینے کا یہی قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ لطائف اشرفی کی عبارت سے صرف اتنا یہ چلتا ہے کہ ”اصحاب طلب و ارباب قلب کی خاطر سے حضرت نور العین حبیب الرحمن چالیس (۴۰) سال تک مسند سجادگی پر مسلسل رونق افروز رہے، لیکن اس عبارت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت مخدوم سنانی حبیب الرحمن کی وفات کے بعد صرف چالیس (۴۰) سال تک حضرت نور العین حبیب الرحمن کی شیخ حیات روشن رہی! اسی بناء پر اقام الحروف کی یہ توجیہ قرین قیاس ہے کہ ۸۰۸ھ (سنہ وفات حضرت مخدوم سنانی حبیب الرحمن) کے بعد منصب خلافت و سجادگی کی ساری ذمہ داریاں اور تمام تقاضے حضرت نور العین حبیب الرحمن کو کشاں کشاں لئے پھرتے رہے لیکن انہوں نے اپنی عمر کے آخری چالیس (۴۰) سال سر زمین روح آباد (کچھوچھو شریف) ہی میں گزارے اور مسند رشد و ہدایت کو مستقار رونق بخشی اس توجیہ سے تاریخی قیاس بھی رفع ہو جاتی ہیں اور لطائف اشرفی کی عبارت کا مفہوم بھی واضح اور غیر تشریح طلب ہو جاتا ہے۔ اب حضرت نور العین حبیب الرحمن کا سنہ وفات ۸۷۵ھ اور ۸۷۲ھ دونوں معتبر ہو سکتے ہیں لیکن اجماع و قیاس کے اصولوں کے پیش نظر ۸۷۲ھ ہی مستند ترین سنہ وفات حضرت نور العین حبیب الرحمن ہے۔

کرامت روزانہ ظاہر ہوتی تھی چنانچہ اُس شب قدر کی صبح کو بھی آپ مکہ معظمہ نماز فجر ادا فرمانے تشریف لے گئے وہاں حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی عبد الرحمن موجود تھے، حضرت کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ”محبوب یزدانی“ آئے۔ آپ کو یہ خداوندی خطاب مبارک ہو، دونوں بزرگوں نے اظہار سرور کے لئے معافہ کیا اُس وقت تقریباً پانچ سو مشائخ کرام حرم شریف میں موجود تھے، سب نے حضرت مخدوم صاحب عبد الرحمن کو مبارکباد دی اور ہر ایک حضرت کی رفعت مرتبت پر خوش و شاداں تھا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم صاحب عبد الرحمن جہاں تشریف لے جاتے مشائخ کرام آپ کو محبوب یزدانی کہہ کر مخاطب کرتے یہاں تک کہ یہ آواز غیبی آسمان و زمین میں گونج اٹھی اور حضرت کی محبوبیت کا پرچم فرش سے عرش تک لہرانے لگا اور ہر زبانِ مسلم پر نام نامی کے ساتھ ”محبوب یزدانی“ کا لقب جاری ہو گیا۔ اَللّٰهُ فَضَّلَ لَكَ فَضْلًا مِّنْ يَّسَّاء۔

غوث العالم (۱)

ابھی حضرت مخدوم صاحب رحمہ اللہ کو بارگاہِ خداوندی سے ”محبوبِ یزوانی“ کا

الحجہ..... غوثیت کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہونے کے علاوہ حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ نے حضرت ابوالرضا حاجی رتن ابن نصر ہندی رحمۃ اللہ علیہ جو صحابی رسول ﷺ تھے، کے دیدار ملاقات کا شرف بھی حاصل فرمایا۔ چنانچہ حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمۃ ہی کا ارشاد ہے: ”وَقَدْ کُنَّا اِیْنَ فَقِیْرٍ مِّمَّا زَمَّتْ حَضْرَتُ ابِی الرِّضَا رَتْنَ سَیِّدِ الدَّارِ الْاَنْوَاعِ الْخَلْفِ الْاِیَّانَ بِمَہْمَہِ مُنْشَدَہِ یَکُ نِسْبَہُ خِرْقَۃِ اِسْ فَقِیْرٍ حَضْرَتِ رَتْنَ مَہْمَہِ سَیِّدِ الدَّارِ حَضْرَتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ“

(لطائف اشرفی ج ۱، ص ۳۷۸)

اس لحاظ سے آپ تابعی ہوئے اور اس امتیازی وصف نے حضرت مخدوم عبد الرحیم کی ذات گرامی کو جملہ مشائخ کے درمیان منفرد اور بے مثال بنادیا۔ حضرت حاجی رتن، رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ”الاصابة في تمييز الصحابة“ ص ۲۲۵ تا ۲۳۲ اور اجائی ذکر

کے لئے، ازکارا برابر ۲۶، ۲۷۔

خطاب عطا نہیں ہوا تھا کہ حضرت کے ترک سلطنت کی مقبولیت کا تاج بلند رتبہ سر پر رکھ دیا گیا تھا اور ترک تخت سلطانی کے بعد سریر جہان بانی و فریادری پر حضرت بٹھا دیئے گئے تھے یعنی وہ نعمت عظمیٰ و موہبت کبریٰ جس کا درجہ نبوت کے بعد مراتب ولایت میں سب سے اعلیٰ اور جس کو اصطلاح میں مرتبہ غوثیت کہتے ہیں اُس پر حضرت فائز ہو گئے تھے۔

اور اس طرح نہ صرف سمنان بلکہ تمام عالم کی باگ آپ کے ہاتھ میں ہو گئی اور عالم کا عالم حضرت کی بارگاہ یکس پناہ کا بھکاری اور فریادی بن گیا اور ایک ایک کی فریاد سن کر درگاہ عالم پناہ سے سب کی آرزوؤں کی جھولی رحم و کرم سے بھری جانے لگی، دنیا پکار اٹھی کہ ۔

یاسید اشرف جہانگیر دست من زار و ناتواں گیر
اور تجربہ کے بعد زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ۔

ہر کہ آید بر درت امیدوار برنگرد و تانہ یا بد مدعا

حضرت کا نام نامی رد بلا و مصائب کے لئے آہنی قلعہ بن گیا اور آسیب و سحر و جنون کے لئے خاک در و چراغ آستانہ اکسیر اعظم ہو گیا (۱) جس کے تحریری اعتراف کا شرف مجھ سے پہلے حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲) نے اخبار الاخیار شریف میں حاصل کر لیا ہے۔ واقعہ یوں گذرا کہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ آدھی رات گئے حضرت نور العین رحمۃ اللہ اور حضرت کبیر رحمۃ اللہ کو خیمہ مقدسہ میں طلب فرما کر حقائق و معارف کی تعلیم دیا کرتے تھے، ایک رات کو شیخ الاسلام کو یہ شرف عطا فرمایا

۱۔۔۔۔۔ ”نام سید و آں دیار در دفع جن بخت است موثر است“ (اخبار الاخیار، ص: ۱۶۶)

۲۔۔۔۔۔ التوفی ۱۵۱۵ھ۔ آپ کے حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو: اذکار ابرار، خزینۃ الاسفیاء، رد و کوثر، اور حیات شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ دہلوی۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت کی حالت عجیب و غریب ہو گئی، یہ لوگ اس مشاہدہ سے بے حد مرعوب ہو گئے اور خیمہ میں ٹھہرنے سکے تو باہر نکل کر بیٹھ گئے اور دیکھا کہ حضرت بیخودی کی حالت میں ٹہل رہے ہیں۔ کوئی ایک پہر رات کا حصہ گذرا تو حضرت کی بیخودی جاتی رہی اور فرمایا کہ الحمد للہ مجھ کو مل گیا۔ یہ سن کر حضرت نور العین علیہ السلام و حضرت کبیر علیہ السلام و شیخ الاسلام علیہ السلام کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ پہلے بیخودی کا رنگ تھا اور اب فرماتے ہیں کہ ”مجھ کو مل گیا“۔

اس کی تو تاب نہ تھی کہ اس بارے میں کچھ دربار دربار میں عرض کر کے حقیقت حال معلوم کر لیتے مگر اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا۔ واقعہ کے جاننے کا شوق اس درجہ تھا کہ حضرت نور العین علیہ السلام نے جرات فرما کر آخر عرض ہی کیا کہ حضور اس درجہ بچپنی آج اس وقت کیوں تھی؟

حضرت مخدوم صاحب علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کی رات ماہِ رجب ۱۰۷۱ھ کو غوثِ زمانہ نے جن کی زیارت کا شرف ہم کو جبلِ الفتح پر حاصل ہوا تھا سفرِ آخرت اختیار فرمایا ہے۔ سارے اکابر و روزگار کو اس کی تمنا تھی کہ اب اس عہدہ جلیلہ کے لئے اُن کا انتخاب ہو مگر اس بمثالِ عظمت کا تاج کسی کے سر پر ٹھیک نہیں اُترتا تھا۔ حق تعالیٰ کے وجہِ کریم کو ہزار ہا حمد کہ اُس نے محض اپنی عنایت بے غایت سے اس فقیر کو غوثیت کے تاجِ زرین سے سربلند فرمایا۔

اس تقویٰ عہدہ عظیمہ کے بعد میں نے نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ جنازہ غوث کی نماز غوث کے سوا کون پڑھا سکتا ہے اور جنازے کو میں نے اور عبدالرب نے اور عبدالملک نے اور ایک بزرگ اوتاؤ سے تھے اُنھوں نے اُٹھایا۔ اس عہدہ غوثیت سے

پہلے میں امام عبدالملک تھا اور غوث کے واسطے جانب میری جگہ تھی، اب میں غوث ہو گیا اور امام عبدالرب ترقی کر کے امام عبدالملک ہوئے اور ایک بزرگ اوتاد سے عبدالرب ہوئے اور اوتاد میں ایک ابدال سے اور ابدال میں ایک اخیار سے اور اخیار میں ایک ابرار سے اور ابرار میں ایک نجبا سے اور نجبا میں ایک نقبا سے اور نقبا میں ایک عام اہل اسلام سے داخل کیا گیا چنانچہ میری درخواست پر مسلمانوں میں تنگہ قلبی کو اس مرتبہ یہ شرف حاصل ہوا۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔
حضرت مخدوم صاحب رحمہ نے تمام عالم کی سیر و سیاحت ۳۰ برس تک فرمائی اور تقریباً پانسوا لیا اللہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمہ (۱) حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت سید محمد گیسو دراز (۲) اور حضرت شاہ بدیع الدین مدار (۳) کا وہ زمانہ تھا۔ اس سیر میں تقریباً پانسوا لیا اللہ سے ملنا ہوا اور خوارق عادات و کرامات کا اس قدر ظہور ہوا کہ عرب و عجم قدموں پر قربان ہونے لگا اور روئے زمین برکات اشرفیہ سے سیراب ہو گئی جس کی تفصیل کتاب مستطاب لطائف اشرفیہ میں ہے، لہذا شائقین اس کی طرف توجہ کریں۔

۲۸ محرم ۸۰۸ھ کو درگاہ کچھوچھ شریف میں بوقت نماز عصر محفل سماع میں مسکراتے ہوئے محبوب حقیقی کے وصال حقیقی کو ان اشعار پر اختیار فرمایا۔

گر بدست تو آمدہ اجلم قدر ضینا بما جرے القلم
خوبتر زیں دگر نباشد کار یار خنداں رود بجانب یار

۱..... حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہ (۱) (المتوفی ۷۹۱ھ)۔

۲..... المتوفی ۸۲۵ھ۔

۳..... المتوفی ۸۳۰ھ۔

سیر۔ بند جمال جاناں را جاں سپارد نگار خنداں را
 حضرت بھی قوالوں کی ان اشعار میں موافقت فرماتے تھے یہاں تک کہ اسی
 مبارک محفل میں عالم آخرت کا سفر فرمایا۔ بارہ ہزار ہزار ماماں و اوتا و ابدال وغیرہ حاضر
 تھے اور قرب و جوار کے اکابر و عمائد کا بیشمار ہجوم تھا۔ مزاہد انوار درگاہ کچھو چھہ شریف میں
 آج بھی زیار گاہ خلافت و نفع بخش کائنات ہے اور آج تک حاجتمندوں کی آمد و رفت سے
 روزانہ میلہ لگا رہتا ہے۔ پورا ماہ اگھن اور ماہ محرم کی ۲۶ سے ۲۹ تک حاجتمندوں اور
 مشائخ و علما کا غیر معمولی مجمع رہتا ہے۔ آستانہ مقدسہ پر روزانہ جن خوارق عادات کا ظہور
 ہوتا ہے اُس کا بیان طول تحریر کا باعث ہے۔ ان مختصر لفظوں کے ساتھ حضرت غوث العالم
 محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء عنی
 کا اجمال ذکر پاک ہدیہ ناظرین کیا گیا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ قبول فرمائے اور خدام غوث
 کے دفتر میں نام لکھ لے۔ مصرع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

نتائج

- (۱) ترک دنیا گیر تاسلطان شوی۔
- (۲) من کان لله کان الله له۔
- (۳) من طلب شیئا وجد وجد۔
- (۴) خدمت شیخ وصول الی اللہ کا پہلا زینہ ہے۔

حضرت غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سلطان

سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ

کی سو سالہ حیات مقدسہ پر ایک اجمالی نظر

سن پیدائش ۷۰۸ھ
تکمیل علوم و فنون ۷۲۲ھ (۱۴ سال کی عمر میں)
تخت نشینی ۷۲۳ھ (بعد وفات پدر)
ترک سلطنت ۷۳۳ھ (مدت خلافت ۱۰ سال)
بیعت و خلافت ۷۳۵ھ (سنان سے پنڈوہ شریف
	کا فاصلہ ۲ سال میں تمام ہوا)

پہلا قیام پنڈوہ شریف ۷۳۵ھ تا ۷۴۱ھ (۶ سال)

روانگی از پنڈوہ شریف ۷۴۲ھ

جون پور میں پہلی آمد ۷۴۲ھ (در عہد سلطنت تغلقیہ)

یہاں سے حضرت غوث العالم نے عتبات عالیہ کی سیاحت کا پروگرام بنایا اور ایک عرصے تک بلاد شرقیہ و ممالک اسلامیہ کی سیر فرماتے رہے۔ جزیرۃ العرب کے علاوہ مصر، روم، شام، عراق اور ترکستان کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بھی آپ کا گزر ہوا اور اس وقت کے جملہ مشائخ عظام اور اولیائے کبار سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کئے۔

۷۵۰ھ میں حضرت حاجی نظام بخاری (رحمہ اللہ) مولف لطائف اشرفی حضرت غوث العالم کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوئے جو حضرت کے سفر و حضر میں آخر دم تک ساتھ رہے۔

ہندوستان کو واپسی ۷۵۸ھ (ممالک شرقیہ کی پہلی سیاحت کا

زمانہ پندرہ (۱۵) سال قیاس کیا گیا ہے)

بلا و شریقہ کی واپسی کے بعد حضرت غوث العالم نے دوسری بار سفر پنڈوہ شریف اختیار فرمایا اور چار سال تک اپنے پیرومرشد کے فیوض و برکات حاصل فرما کر حرمین شریفین کی زیارت کا دوبارہ قصد کیا۔ اسی سفر میں آپ اپنی خالہ زو بہن کی ملاقات کے لئے گیلان پہنچے اور اپنے بھانجے سید عبدالرزاق نور العین علیہ السلام کو اپنی فرزندگی میں قبول فرمایا، یہ ۶۵-۶۴ھ کا واقعہ ہے۔

ہندوستان کو دوبارہ واپسی ۶۸ھ (ممالک شرقیہ کی دوسری سیاحت
عالمیاباً ۱۰ سال پر مشتمل ہے)

۷۰ھ (بمقام گلبرگہ شریف)
محبوب یزدانی کا خطاب ملا ۸۲ھ (بمقام روح آباد کچھو چھا شریف)
اسی سنہ میں حضرت غوث العالم نے تیسری بار اپنے پیرومرشد کا نیاز حاصل کرنے کی غرض سے پنڈوہ شریف کا سفر کیا۔ جب آپ قصبہ منیر شریف پہنچے تو حضرت شیخ شرف الدین سبکی منیری علیہ السلام کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ نے حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت شیخ کے فیوض روحانی سے مالا مال ہو کر پنڈوہ شریف کی جانب تیز گام ہوئے۔

تعمیر آستانہ عالیہ شریفہ ۹۳ھ (ماوہ تاریخ ”عرش اکبر“ ہے)
پنڈوہ شریف میں آخری بار حاضری و قیام ۸۰۱ھ تا ۸۰۳ھ (بعد وفات پیر مرشد اور
بوقت جانشینی پیر زاوہ حضرت نور قطب عالم پنڈوی)
جون پور میں دوسری آمد ۸۰۵ھ-۸۰۴ھ (ورعہ سلطان ابراہیم شرقی)
مستقل قیام روح آباد تا وفات شریف ۸۰۸ھ-۸۰۵ھ

﴿ تصانیف جلیلہ حضرت غوث العالم ﴾

۱۔ رسالہ غوثیہ :- اس رسالے میں منصب غوثیت سے متعلق تمام باتوں کا اندراج ہے۔ حضرت غوث العالم ہی کا ارشاد ہے کہ ”اکثر انچہ مناسب غوث بود و مقامات و مقالات اور در رسالہ غوثیہ ثبت کرویم“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۰۶)

۲۔ رسالہ مناقب اصحاب کاملین و مراتب خلفاء راشدین :- اس رسالے کے عنوان ہی سے اصل مضمون مترشح ہوتا ہے۔ حضرت غوث العالم نے تحصیل بیعت و خلافت کے بعد پنڈوہ شریف سے روانہ ہو کر قصبہ محمد آباد گوہنہ (جواب ضلع اعظم گڑھ میں ہے) میں نزول اجلال فرمایا۔ وہاں کے علماء نے حضرت کی اس تصنیف پر اعتراض کیا اور مناقب علی علیہ السلام کے نسبتاً زیادہ ہونے پر فرض کا الزام لگایا۔ بالآخر ایک طویل بحث و تحقیص کے بعد یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور علماء نے اپنی غلط فہمیاں تسلیم کر لیں البتہ اس تصنیف کی تاریخی حیثیت کو چار چاند لگ گئے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۸-۱۹ برکات چشتیہ ۶۱۵۶)۔

۳۔ بشارت الاخوان :-

۴۔ ارشاد الاخوان :-

۵۔ فواید الاشرف :-

۶۔ اشرف الفوائد :-

ان تمام تصانیف میں تصوف و معرفت کے رموز و اسرار ظاہر کئے گئے ہیں اور

یہ تصنیفات حضرت غوث العالم کی ابتدائی کاوشوں کی آئینہ دار ہیں۔ ایک جگہ حضرت ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ ”پیش از اطلاع ایں فن ازیں فقیر وقوی یافتہ“

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۱۳)، برکات چشتیہ ص ۵۵۸)

نوائید الاشرف القوائد کو گجرات کے احباب و متوسلین کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے مرتب فرمایا تھا۔ حضرت غوث العالم نے جب گجرات سے دہلی جانے کا عزم فرمایا تو ”رسالہ اشرف القوائد و نوائید الاشرف جہت آل احباب نوشتہ اند و باں اعزہ وادہ آمدند چنانچہ در دیباچہ آں رسالہ بدیں معنی اشارت رفت“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۲۱)۔

۷۔ رسالہ بحث وحدۃ الوجود:- حضرت غوث العالم نے اس رسالے کو روم میں تصنیف فرمایا تھا اور اس کتاب میں تصوف کی مصطلحات کا اہتمام و التزام بکثرت تھا۔ اسی بناء پر ہندوستان میں بالخصوص بنگال کے علمائے تصوف اس کتاب سے استفادہ نہ کر سکے کیونکہ وہ مصطلحات تصوف اور ان کی نزاکتوں سے بے خبر تھے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۱۳، برکات چشتیہ ص ۵۵۸)

۸۔ تحقیقات عشق:- اس کتاب میں عشق کی توجیہ و تشریح متصوفانہ انداز پر کی گئی ہے جو خیال انگیز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، تحقیقات عشق کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ اشرفیہ کچھوچھا شریف میں موجود ہے۔ کتب خانے کے ناظم اعلیٰ عزیز سی مولوی سید اظہار اشرف ولی عہد سجادہ سرکار کلاں نے اسے کتب خانہ پیر محمد شاہ احمد آباد (جو ایک قدیم کتب خانہ ہے) سے نقل و مطابقت کرا کے منگولایا ہے لیکن جس قلمی نسخہ کا یہ نقش ثانی ہے اس میں بھی تاریخ یا سنہ کتابت مندرج نہیں ہے۔

۹۔ مکتوبات اشرفی:- حضرت غوث العالم کے مکتوبات کا ایک گرانقدر مجموعہ جسے

حضرت کے بھانجے اور خلیفہ اعظم حضرت حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نورالعین رحمہ اللہ نے مرتب فرمایا تھا۔ مکتوبات اشرفی کے متعدد قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔ مکتوبات کا ایک نادر مجموعہ حضرت حاجی شیخ نظام بخاری رحمہ اللہ مؤلف لطائف اشرفی نے بھی مرتب کیا تھا مگر افسوس کہ امتداد زمانہ سے شاید وہ محفوظ نہ رہ سکا۔

۱۰۔ اشرف الانساب۔ سلاطین اور مشائخ عظام کے سلسلہ ہائے نسب۔

۱۱۔ مناقب السادات۔ سیادت کے فضائل و مناقب پر یہ رسالہ مشتمل ہے۔

۱۲۔ فتاویٰ اشرفی۔ مختلف مسئلوں کے جوابات کا ایک قابل قدر ذخیرہ۔

۱۳۔ دیوان اشرف۔ حضرت غوث العالم کے کلام بلاغت نظام کا مجموعہ۔

(ماخوذ از محبوب یزدانی)

۱۴۔ رسالہ تصوف و اخلاق (بزبان اردو)۔ اس رسالے کو سب سے پہلے میر نذر علی درو کا کوروی نے دریافت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”حضرت سید اشرف جہانگیر والی مجلد ضخیم کتاب کو میں نے خود دیکھا ہے، ضرور نا اس پر صفحے ڈالے گئے ہیں۔ اس کتاب کے ص ۱۸ کا ایک ٹکڑا ہے:

”اے طالب! آسمان زمین سب خدا میں ہے، جو تحقیق جان اگر تجھ میں

کچھ سمجھ کا ذرہ ہے تو صفات کے باہر بھیر تمام ذات ہی ذات ہے۔“

میر نذر علی درو کا کوروی کا یہ تحقیقی مقالہ بعنوان ”شمالی ہند اور اردو“ سالنامہ

یادگار ۱۹۳۳ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ فاضل مقالہ نگار نے رسالہ تصوف و اخلاق کو

اردو ستر کا نقش اول قرار دیا ہے۔ یہ مضمون علم و ادب کی دنیا میں اس قدر فکر انگیز رہا کہ

پروفیسر حامد حسن قادری نے اپنی معرکہ الآرا کتاب داستان تاریخ نثر اردو میں میر صاحب کے تاریخی انکشاف کو پورے طور پر سراہا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ غالباً ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں پروفیسر افتخار حسین نے بھی قومی آواز لکھنؤ کے سنڈے ڈیشن میں اردو نثر کے اس نقش اول پر ارباب فکر و نظر کی توجہ کو مبذول کرایا تھا۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی درخواست پر حضرت سجاد نشین سرکار کلاں نے بھی میر نذر علی درو کا کوردی کو ایک خط تحریر کیا تھا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ رسالہ تصوف و اخلاق کے ضروری اور بنیادی اقتباسات کو نقد و تبصرہ کے ساتھ کتابی صورت میں ترتیب دے چکا ہوں اور اب اشاعت کی فکر میں ہوں۔ خدا کرے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو جائے اور علمائے زبان و ادب کے لئے چراغِ راہ منزل کا کام دے۔

۱۵۔ رسالہ حجۃ الذاکرین:- مطبوعہ منسلکہ لطائف اشرفی ص ۴۲۵۔

۱۶۔ بشارۃ المریدین رسالۃ قبریہ:- مطبوعہ منسلکہ لطائف اشرفی ص ۴۳۱۔ یہ ایک مختصر تحریر ہے جسے حضرت غوث العالم نے قبر کے اندر بیٹھ کر مرتب فرمایا تھا۔ اس مختصر اور آخری تحریر میں تمام خلفاء اور مریدین کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ دینِ حق پر ہیں لہذا وہ دین کے اساسی اور بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ حضرت غوث العالم نے اپنے معتقدات کا جس بلند آہنگی کے ساتھ اعلان فرمایا ہے وہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے صوفیائے اسلام کے جرات عمل اور بلندی کردار کی بہترین مثال ہے۔

حضرت غوث العالم رحمہ اللہ کے جلیل القدر خلفاء کا ایک مختصر تعارف

۱۔ حضرت حاجی الحرمین مولانا ابوالحسن سید عبدالرزاق نورالعین رحمہ اللہ۔

(ملاحظہ ہو: ص ۶۶۲ تا ۶۶۵ بر حاشیہ)

۲۔ حضرت حاجی شیخ نظام یمنی رحمہ اللہ۔ آپ یمن کے باشندے تھے۔ ۵۰ھ میں حضرت غوث العالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور بہت ہی جلد خلافت سے سرفراز کر دئے گئے۔ پھر سفر و حضر میں آخر دم تک حضرت کے ساتھ ہی رہے۔ آپ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے لیکن لطائف اشرفی کے مطالعے سے آپ کے بحر علمی کا پتہ چلتا ہے جہاں علوم و فنون کی رنگارنگی کے ساتھ ادب و انشاء کے جوہر بھی دکھلائے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور غریب و محتضرس رکھتے تھے اور یہ شاعرانہ مذاق لطائف اشرفی کے ہر صفحے سے نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ لطائف اشرفی حضرت غوث العالم کے ملفوظات پر مشتمل ہے مگر ان ملفوظات کو جمع کر کے مدون کرنا کچھ غیر اہم کام نہیں۔ اس کے لئے بھی فکر و نظر کی گہرائی و وسعت اور فنی چابکدستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ حضرت حاجی نظام یمنی رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ عالم و ادیب تھے بلکہ ایک ایسی متوازن اور گراں قدر شخصیت کے حامل تھے جہاں سے اخلاص، صداقت، دیانت داری، حقیقت پسندی، انتخابی نظر، تجزیاتی انداز اور جرأت اظہار کے سوتے پھوٹتے ہیں اور شاید انھیں اوصاف کی بناء پر حضرت غوث العالم نے انھیں وہ قرب خاص عطا کیا جو حضرت نورالعین رحمہ اللہ کے سوا اور کسی کو میسر نہ تھا۔

۳ ﴿حضرت شیخ کبیر العباسی علیہ الرحمہ﴾: حضرت غوث العالم کے احباب واصحاب میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ اور حضرت کے التفاتِ صوری و معنوی سے اس حد تک مالا مال تھے کہ حضرت نور العین علیہ الرحمہ کو رشک ہوتا تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۹)۔ حضرت غوث العالم علیہ الرحمہ نے اپنے ایک گرامی نامے میں حضرت شیخ کبیر کو ان لفظوں سے یاد کیا ہے ”فرزند اعز اکرام شیخ الاسلام و سلالۃ الاکابر شیخ کبیر طال عمرہ“ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۰) حضرت شیخ کی عالی مقامی اور فضیلتِ مآبی کے لئے یہ عبارت بھی کچھ کم اہم نہیں کہ ”حضرت کبیر عجوبہ روزگار و زبندہ (نادرہ) اولیاء اعصار خود بودہ اند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱، برکاتِ حشیشہ ص ۱۷۸)۔

ایک جگہ صاحبِ لطائف اشرفی رقمطراز ہیں کہ حضرت غوث العالم نے اللہ تعالیٰ کی چار نعمتوں پر حد درجہ فخر و شکر کیا ہے۔ ان میں چوتھی نعمتِ خداوندی کا ذکر اس طرح فرماتے تھے کہ ”دریائے حقائق کے دو گہراور کانِ دقایق کے دو جوہر مجھے نصیب کیا اور وہ دو گہراور ایک (حضرت) نور العین دوسرے (حضرت) کبیر ہیں۔ خدا نے چاہا تو ان کے ولایت کی روشنیاں اور ہدایت کے اثرات قیام قیامت تک باقی رہیں گے۔“

(برکاتِ حشیشہ ص ۲۸۷-۲۸۸، لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۷۶)۔

۴ ﴿حضرت شیخ محمد درّ یتیم علیہ الرحمہ﴾: حضرت شیخ کبیر کے فرزند ارجمند تھے۔ صغریٰ ہی کے عالم میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو حضرت شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق حضرت غوث العالم نے حضرت درّ یتیم کی پرورش و نگہداشت کی اور اپنے حجرہ عنایت میں ان کی تربیتِ صوری و معنوی خود فرمائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۰) تمام علوم ظاہری و تربیتِ سلوک کے بعد انہوں نے متعدد چلے کھینچے اور مجاہدے کئے۔ آخر میں

لباس خلافت سے ملبوس ہوئے اور دریتیم کا خطاب پایا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱، ۴۰۱)

حضرت غوث العالم کے تعلق خاطر کی یہ ایک روشن مثال ہے کہ حضرت دریتیم کی شاوی کے لئے حضرت نواح سرور پور کے ایک تاجر کے گھر خود تشریف لے گئے۔ وہ شخص فقر ظاہر کی وجہ سے یہ رشتہ ناپسند کرتا تھا مگر حضرت غوث العالم کے اصرار و التفات نے اسے رضامند بنالیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۵۱)

۵۔ حضرت شیخ شمس الدین بن نظام صدیقی اودھی علیہ السلام: آپ قدوة علماء نامدار اور زبدہ فصحاء روزگار تھے علوم عربیہ اور درس عالیہ کی تکمیل مولانا رفیع الدین اودھی سے کرائی۔ جب مولانا مذکور سے ارادت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ فرزند! میرے پاس جو کچھ سرمایہ علمی تھا وہ سب تمہیں دے چکا لیکن علوم صوفیہ اور تکمیل راہ سلوک ایک سید کے ہاتھ میں ہے جو عنقریب ہی یہاں کے لئے سفر و سیاحت فرمائیں گے ان کی ملازمت کو غنیمت سمجھنا کہ کلید کار انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ چند روز گزرنے کے بعد جب حضرت غوث العالم بنگال سے روح آباد (کچھوچھا شریف) پہونچے تو ایک عرصہ تک وہاں حضرت نے قیام فرمایا اور اس اثناء میں حضرت اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ ایک دوست کی خوشبو آ رہی ہے۔ چنانچہ حضرت غوث العالم جب خطہ اودھ پہونچے تو شہر کے اکابرین و عمائدین حضرت کے دیدار کے لئے آئے، ان میں حضرت شیخ شمس الدین بھی تھے۔ حضرت مخدوم نے انہیں دور ہی سے دیکھ کر فرمایا کہ ”فرزند شمس الدین! باز برای تو آمدہ ام“۔ اس بات کو سن کر حضرت شمس الدین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور بصدق تمام اپنا سر جھکا دیا۔ حضرت غوث العالم نے انہیں سلسلہ

ارادت میں شامل کیا اور چند روز کے بعد انھیں ریاضت و مجاہدہ کے لئے خلوت نشین کر دیا۔ اس مجاہدانہ طرز زندگی سے حضرت غوث العالم مطمئن ہو گئے اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں ”انواع مقامات منہیانہ نسبت دی ایثار کردند و فرمودند کہ اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲)۔

۶؎ حضرت سید عثمان بن خضر علیہ (الرہم)۔ آپ نبا سید اور حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ (الرہم) کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ صاحب لطائف اشرفی نے آپ کو ”اھل السادات“ کہا ہے۔ حضرت غوث العالم نے آپ کی گونا گوں صلاحیتوں کو دیکھ کر خلافت عطا فرمائی اور اسرار محرمانہ و انوار مخصوصانہ سے نوازا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲)

۷؎ حضرت شیخ سلیمان محدث علیہ (الرہم)۔ آپ کا شمار حضرت غوث العالم کے خلفاء کبیر میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے عہد کے قدوۃ المحدثین اور عمدۃ المفسقین تھے۔ لطائف اشرفی میں مذکور ہے کہ ”در ہندوستان محبت استاد کم یافتہ شد مگر از شیخ سلیمان محدث در کتاب حصن الحصین در اینجا گذرانیدند و نسبت حضرت بابا رضارتن ازیں سلسلہ در تصحیح حدیث کردند“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۲)

۸؎ حضرت شیخ معروف علیہ (الرہم)۔ آپ حضرت غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ (الرہم) کے اصحاب و احباب میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ علوم غریبہ و معلومات عجیبہ کی فراوانی کے ساتھ حکمت و طریقت کی راہوں سے بھی لذت آشنا تھے۔ حضرت غوث العالم کا بلدۃ جون پور میں نزول اجلال ہوا تو سارا شہر فیض دیدار کے لئے مجتمع ہو گیا۔ حضرت شیخ معروف نے بھی اس خبر کو پاتے ہی حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں حاضری دی اور شرف ارادت حاصل کیا۔ ان کی ریاضت شدیدہ اور

عبادت پسندیدہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت غوث العالم نے انھیں لباس خرقہ اور خلافت نامہ دونوں عطا فرمایا۔ حضرت شیخ معروف کی محبوبیت اور قدر و منزلت کے لئے حضرت غوث العالم کا یہ ارشاد ”اشرف معروف و معروف اشرف“ ایک فیصلہ ناطق کی حیثیت رکھتا ہے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۲)۔ حضرت شیخ کا مسکن قصبہ دیلمو تھا جو ڈھلمو کے نام سے آج بھی مشہور ہے اور کچھو چھا شریف سے شمال و مغرب میں ۲۲ میل کے فاصلے پر دریائے سرو جو کے کنارے آباد ہے۔

۹ ﴿ حضرت شیخ رکن الدین علیہ (الرہم).....

۱۰ ﴿ حضرت شیخ قیام الدین شاہباز علیہ (الرہم)۔ حضرت غوث العالم کے اصحاب کبار اور احباب نامدار کی فہرست میں ان دونوں بزرگوں کا نام آتا ہے۔ حضرت غوث العالم کے دوسرے سفر بلا دشرقیہ کی واپسی پر یہ دونوں بزرگ ہندوستان آئے اور اس قدر خدمت میں مصروف ہوئے کہ حضرت غوث العالم کے التفات خسرانہ سے مالا مال ہو گئے۔ صاحب لطائف اشرفی رقمطراز ہیں کہ ”آں مقدار عنایت و حمایت کہ نسبت وی بود بر اصحاب دیگر کم دیدہ شد“۔ ان دونوں کو حضرت غوث العالم سے ایک نسبتی تعلق بھی تھا اور اس سبب سے بھی ان کو خصوصیت حاصل تھی۔ ان کے قیام و رہائش کے لئے بنی پورہ کا مکان جو دریائے سرو جو کے کنارے واقع تھا اور جس میں حضرت مخدوم رونق افروز ہو چکے تھے، مرحمت کر دیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)

۱۱ ﴿ حضرت شیخ اصیل الدین جرہ باز علیہ (الرہم)۔ آپ حضرت غوث العالم کے اصحاب طیر و سیر میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ شدید ریاضت و عبادت نے اس مقام پر پہنچایا کہ حضرت نے انھیں شرف خلافت سے مشرف فرمایا اور اپنی عنایت و حمایت سے انھیں اس قدر

گراں قدر کر دیا کہ دوسرے اصحاب کو یہ درجہ میسر نہ تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)۔

۱۲۔ حضرت شیخ جمیل الدین سپید باز رحمہ :- آپ حضرت غوث العالم کے اصحاب ثلاثہ میں بڑی مقبولیت رکھتے تھے اور سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ ہمیشہ رہے۔ حضرت نے آپ کو خلافت سے مشرف کیا اور التفات صوری و معنوی سے مخصوص فرمادیا۔ آپ سے جس قدر حقائق و معارف صادر ہوئے وہ دوسروں سے نہ ہو سکے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)

۱۳۔ حضرت قاضی محبت رحمہ :- آپ براہین عقلیہ و نقلیہ سے آراستہ اور دلائل و مقدمات سے پیراستہ تھے۔ آپ کی جب توفیق سلوک بیدار ہوئی تو حضرت غوث العالم کی بڑی سرکار میں سرکھکا دیا۔ آپ کے خلوص عقیدہ اور صفات پسندیدہ کو دیکھ کر حضرت نے آپ کی ذات کو حقائق و معارف کا گنجینہ بنا دیا۔ جب آپ نے خلافت کی شرطیں پوری کر لیں تو لباس خرقہ سے بھی مشرف ہوئے اور روح آباد کے قریب ہی ایک موضع میں انکی سکونت قرار پائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳)۔

۱۴۔ حضرت شیخ عارف مکرانی رحمہ :- آپ نے علوم شریعت و طریقت سے پیراستہ ہو کر شرف ارادت حاصل کیا بعدہ آپ نے سخت ریاضت اختیار کی۔ جب مراتب سلوک طے کرنے لگے تو خرقہ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم کے خلفاء میں بڑا نام پیدا کیا۔ اگر ان کے خوارق عادات اور ظہور معاملات کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک دوسرا دفتر تیار ہو جائے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۳، ۴۰۴)

۱۵۔ حضرت شیخ ابوالکارم ہروی رحمہ :- آپ امیر زاوے تھے اور آپ کے والد

کا شمار امیر تیمور لنگ صاحبقران کے امراء نامدار میں ہوتا تھا۔ جب حضرت غوث العالم، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے تو امیر علی بیگ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت شیخ ابوالکارم نے حضرت غوث العالم کی زیارت کی اور بے حد متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ بارہ (۱۲) سال سے زائد مشقتیں راہ سلوک میں برداشت کیں۔ حضرت شیخ علوم ظاہری سے بہرہ مند تھے اور ریاضت و مجاہدے نے ان کی شخصیت کو اور چمکادیا تھا۔ اس استعداد کاملہ اور قابلیت تامہ کے بعد حضرت غوث العالم نے انھیں خلافت سے سرفراز فرما کر اپنا مرکز نظر بنالیا تھا۔ صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ ”انواع مکارم اخلاق و مراحم اشفاق از وی ظہور یافتہ معتقدان بابوالکارم ملقب ساختند“۔ حضرت شیخ کو تبلیغ و اشاعت دین کے لئے سرقد کا مقام سپرد کیا گیا۔ ان کے مریدین و معتقدین بے شمار تھے اور سلسلہ اشرفیہ کی توسیع میں ان کا نمایاں حصہ تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۴)

۱۶ حضرت شیخ صفی الدین ردولوی علیہ السلام:۔ آپ علوم ظاہری کی دولت سے بھرپور اور ادب و فقہ میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ صاحب لطائف اشرفی کے لفظوں میں ”صفی کہ بھفائے علوم ظاہری و اصطفاۃ معانی باہری آراستہ در علوم ادبیہ و اصول فقہیہ دسی تمام داشتہ اند“۔ حضرت غوث العالم بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”در بلاد ہند کسی را کہ بفنون درخندہ غرایب و شیون عجائب پیراستہ دیدم وی بودہ“۔ حضرت شیخ صفی الدین ردولوی کی ارادت و بیعت کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت شیخ کی خدمت میں ایک پر شکوہ اور باوقار شخص نمودار ہوا۔ حضرت شیخ نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی تعظیم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ شخص مذکور نے

اصول فقہ کی ایک کتاب پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے آپ نے بے شمار ادراق سیاہ کر دیئے لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ سیاہ ادراق کو سفید اور پُر انوار کیجئے۔ اس گفتگو کا حضرت شیخ پر بے حد اثر پڑا اور ان پر ایک محویت طاری ہو گئی۔ حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ میں اپنے دست ارادت کو کس کے دامن عنایت سے وابستہ کروں جو مجھے راہ سلوک پر لے چلے؟ شخص مذکور نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو اسرار قرب کا محرم بنانا چاہتا ہے تو حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ملتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کریں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے مرد کامل کی جس کے انوار ولایت اور آثار ہدایت سے سارا جہاں مسخر ہے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت غوث العالم کا گذر قصبہ رُدولی میں ہوا اور حضرت نے وہاں کی جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ اس خبر کو پاتے ہی حضرت شیخ صفی الدین روڈلوی (رحمہ اللہ)، حضرت غوث العالم کی خدمت بابرکت میں پہونچے اور کمال ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت نے ان پر ایک نظر اتفاقات کی اور اس بات کو دوہرایا جس کی بشارت حضرت شیخ کو مل چکی تھی۔ اس کلام کو سنتے ہی حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم کی بیعت و ارادت حاصل کی۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مصری کی ایک ڈلی ان کو کھلائی اور ان کی اولاد و احفاد کے لئے دعائیں فرمائیں۔ حضرت شیخ کی خاطر سے حضرت غوث العالم نے چالیس (۴۰) دن قصبہ رُدولی میں قیام فرمایا اور اسی اثناء میں حضرت شیخ کو لباس خرقہ اور اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت شیخ نے اپنے فرزند شیخ اسطیل کو جن کی پیدائش کو چالیس (۴۰) روز ہوئے تھے، حضرت غوث العالم کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔ حضرت نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ”اوہم مرید ماست“۔ (لٹائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۴، ۴۰۵)۔

انھیں شیخ السلیل کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ تھے جو آسمانِ ولایت پر آفتاب بن کر چمکے۔

۱۷ حضرت شیخ سماء الدین رُودولی علیہ السلام:۔ علومِ صوری و معنوی سے محنتی اور طریقہ سننِ مصطفوی سے پاک و صاف تھے۔ جب حضرت غوث العالم قصبہ ردولی پہنچے تو حضرت شیخ سماء الدین علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت شیخ نے مقامِ روح آباد: (کچھوچھا شریف) میں مسلسل چار سال تک اس قدر ریاضتیں و مشقتیں کیں کہ اسرارِ سلوک و معرفت کے محرم بن گئے۔ روح آباد ہی میں انھوں نے لباسِ خرقة اور اجازت و خلافت حاصل کی اور مقامِ ردولی ان کے لئے متعین کیا گیا۔ حضرت شیخ کو قصبہ ردولی کے ایک فقیر نے پریشان کر رکھا تھا چنانچہ انھوں نے اپنی صورتِ حال سے حضرت غوث العالم کو مطلع کیا تو وہاں سے جواب عطا ہوا کہ میں نے حق تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ جو میرے متعلقین کو پریشان کرے گا وہ افتاد و رافتا میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند ہی روز کے بعد فقیر کا بول بالا ختم ہو گیا۔ (لطائفِ اشرفی ج ۱ ص ۴۰۵، ۴۰۶)

۱۸ حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام:۔ آپ گونا گوں فضائل و شمائل سے آراستہ تھے، بلند علمی مرتبہ رکھتے تھے اور جامعِ فروع و اصول تھے۔ حضرت شیخ کی عقیدت و بیعت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ علمِ اصول و فقہ کے چند مسائل اس قدر مشکل تھے کہ ان کا کوئی حل نہیں نکلتا تھا۔ ہر چند کہ علماء روزگار اور بلغاء نامدار تخصیص مولانا علام الدین جاسی علیہ السلام نے ان عقدہ ہائے لایحل کی جانب رجوع کیا لیکن ان کی ساری کاوش و محنت کوہِ کندن و کاہِ برآوردن کے مصداق قرار پائی۔ انھیں دنوں میں حضرت غوث العالم نے خطہ او وہ کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی اور حضرت شیخ شمس الدین

اودھی علیہ السلام کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام نے اپنے مشکل مسائل علیہ حضرت غوث العالم کے سامنے پیش کئے۔ حضرت نے ماتھے پر شکن ڈالے بغیر ایسے موثر جوابات دیئے کہ حضرت شیخ کی تسکین خاطر ہو گئی۔ دوسرے دن وہ حضرت کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ چار سال کی محنت شاقہ اور ریاضت شدیدہ کے بعد حضرت نے انھیں لباس خرّہ اور شرف اجازت و خلافت مرحمت فرمایا اور پھر وہ اس بلند مقام پر پہونچے کہ ایک دفعہ بعض لوگوں نے وضو کے پانی کے کثرت استعمال کے باعث ان پر جب اسراف کا الزام لگایا تو حضرت غوث العالم نے فرمایا کہ ”حالتی کہ فرزند خیر الدین وارد دریں حالت اگر آب دریای کو نین و گوہر بخوردارین بروز یزند، اسراف نبود“۔ (لطائف اثر فی ج ۱ ص ۴۰۶)۔

۱۹ حضرت قاضی محمد سدھوری علیہ السلام :- حضرت غوث العالم جب قصبہ سدھور پہونچے تو حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام کے ہمراہ تمام اکابرین قصبہ نے حضرت کا استقبال کیا اور سب لوگوں نے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت حاصل کی، ان میں حضرت قاضی محمد سدھوری علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت غوث العالم نے ایک مختصر قیام کے بعد سارے ارادتمندوں کو حضرت شیخ خیر الدین سدھوری علیہ السلام کے زیر نگرانی چھوڑ کر قصبہ جاس کی جانب قصد سفر فرمایا۔ اس سفر میں حضرت نے قاضی محمد سدھوری علیہ السلام کو اپنے ہمراہ رکھا اور انھیں ریاضت و مجاہدہ کی ترغیب دی۔ حضرت قاضی پہلے ہی سے علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے لیکن منزل عرفانیات سے بے خبر تھے۔ جب وہ راہ سلوک کے نشیب و فراز سے لذت آشنا ہو گئے تو حضرت غوث العالم نے انھیں لباس خلافت اور اجازت سلسلہ عطا فرمائی۔ حضرت قاضی نے اپنے صاحبزادے قاضی ابو محمد

سدہوری عہدہ (۱۲۸۵ھ) بھی حضرت غوث العالم کی بیعت و خلافت سے وابستہ کرادیا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰۶، ۲۰۷)

۲۰؎ حضرت مولانا ابوالمظفر محمد لکھنوی علیہ (الرہم) : آپ اپنے وقت کے عالم شہیر اور پیشوائے بلغاء دیار تھے۔ علاوہ ازیں آپ حضرت غوث العالم کے مخصوص خلیفہ بھی تھے۔ اسی نسبت سے حضرت ان پر زیادہ التفات و عنایت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا کی تسکین خاطر کے لئے حضرت غوث العالم نے جامع مسجد لکھنؤ میں چند روز قیام فرمایا۔ حضرت مولانا کو شعر و سخن سے بے حد دلچسپی تھی، انھوں نے ایک مدحیہ قصیدہ حضرت غوث العالم کی خدمت میں پیش کیا جو ان کے ”نصاحت شعار و بلاغت آثار“ ہونے کا نمایاں ثبوت تھا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰۷)

۲۱؎ حضرت مولانا علام الدین جانی علیہ (الرہم) : آپ کو صاحب لطائف اشرفی نے ”علامہ روزگار و فقیہ دیار“ کے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ حضرت غوث العالم اپنے اصحاب کے قافلے کے ساتھ قصبہ جاس پہنچے تو ان دنوں حضرت مولانا جانی علیہ (الرہم) ہفت مسئلہ از علوم مشکل شدہ بود“ کی بھول بھلیوں میں بیچ و تاب کھا رہے تھے اور سالہا سال کے غور و فکر کے باوجود ان مسائل کا کوئی تشفی بخش جواب مرتب نہ ہو سکا تھا۔ چنانچہ حضرت غوث العالم نے اپنے معمول کے مطابق اصحاب کے ساتھ رات کی تہائی میں جب ذکر جہری فرمایا تو ”غوغائی ذکر طالبان و شغب و شور و اکران گوشت ہمہ کس رسیدہ“۔ مولانا جانی اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے ذکر جہری سے خلل محسوس کیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ مردم غوغائی کہاں سے آئے ہیں؟ دوسرے دن حضرت غوث العالم اپنے اصحاب کے ساتھ مقبرہ شیخ بدالدین علیہ (الرہم) میں موجود تھے کہ

اتفاقاً مولانا جاسی کا بھی گذر ہو گیا۔ انھوں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ حضرت غوث العالم نے برجستہ فرمایا کہ ہم مردم غوغائی ہیں۔ اس جواب کو سن کر مولانا جاسی بے حد پشیمان ہوئے اور ہزار معذرت چاہی۔ مولانا کے کمال و عجز و نیاز پر حضرت غوث العالم نے قسم فرمایا اور ان کی خواہش کے مطابق انھیں سلسلہ ارادت میں داخل کر لیا۔ علاوہ ازیں ان مسائل علمیہ کو جن سے مولانا پریشان ہو چکے تھے اس انداز سے حل فرما دیا کہ ایک ایک بات مولانا کے دل میں نقش ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد مولانا جاسی کا عقیدہ سَوَگنا بڑھ چکا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے فرزندوں کو بھی حضرت غوث العالم کے دستِ حق پر بیعت کرایا اور قصبہ کے سارے اکابر و اصغر کے لئے سلسلہ اشرفیہ میں شامل ہونے کا اہتمام کیا۔ حضرت نے مولانا جاسی کو خلافت سے بھی مشرف فرمایا تھا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۷، ۴۰۸، صحائف اشرفی ورق ۱۱۵)

۲۲ حضرت شیخ کمال جاسی علیہ (رحمہ)۔ آپ جامع ریاضات شدیدہ اور صاحب معاملات چیدہ تھے۔ آپ نے چند سال کلفت سفر اور محنت حضر اختیار کرنے کے بعد لباس خرقة اور ارادت و اجازت کا استحقاق حاصل کیا۔ حضرت غوث العالم کو حضرت شیخ کمال سے بڑی انسیت تھی چنانچہ جاس سے روح آباد (کچھو چھا شریف) کی طرف مراجعت فرمانے کے وقت نیاز مندان سلسلہ اشرفیہ کی تربیت و رہنمائی کی ذمہ داری اور منصب نیابت حضرت شیخ کمال ہی کو تفویض کیا گیا۔ ایک عرصے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ قصبہ کے چند لوگوں نے حضرت شیخ کمال کو دعوت دی لیکن وقت مقررہ پر وہ کسی وجہ سے کھانے کا بندوبست نہ کر سکے۔ شیخ کمال نے اسے اپنی بے عزتی پر محمول کیا اور غضب و غصہ کے

عالم میں یہ بد عادی کہ وہ لوگ جل جائیں جنہوں نے وعدہ وفا نہیں کیا۔ شیخ کی زبان سے اس بات کے نکلنے ہی سارے قصبے میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا جن میں چار ہزار آدمیوں کا راکھ ہونا بھی بتایا جاتا ہے۔ شیخ کمال کالال مدھم ہوا تو اس حادثہ جانکاہ پر بے حد خجالت محسوس کی اور غصہ و درگزر کے لئے حضرت غوث العالم کی بارگاہ میں روح آباد (کچھو چھا شریف) پہنچے۔ حضرت نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ میرے فرزندوں کو جلاؤ والا اور انھیں برباد کر دیا۔ حضرت ان سے کچھ اس طرح برگشتہ خاطر ہوئے کہ پابوسی کی اجازت بھی انھیں نہیں دی۔ شیخ کمال ایک مدت تک خانقاہ کے پیچھے وحدت آباد میں حضرت کی نگاہوں سے دور پڑے رہے۔ بعد میں حضرت نور العین علیہ السلام کی سفارش اور منت و سماجت پر شیخ کمال کی معافی کی درخواست منظور ہوئی لیکن حضرت نے فرمایا کہ ”چوں بطریق درویشاں عذر تخرن یریشاں خواستی ایمانت بہ سلامت رود اما ابتر گردان و اولاد احقاد تو سرگرداں شوند“۔

(الطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۸)

۲۳؎ حضرت سید عبدالوہاب علیہ السلام:- حضرت غوث العالم کے مخلص خلیفہ اور مخصوص ساتھی تھے۔ انھوں نے اپنی خدمت گزاری کا ایک علیحدہ اور انوکھا معیار قائم رکھا جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ایک دفعہ حضرت غوث العالم نے ان کو شیخ عبدالکریم دہلوی کے پاس واپسی روانہ کیا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو پایادہ سفر کی وجہ سے ان کے پیروں پر دم آگیا تھا اور آبلے پڑ گئے تھے۔ حضرت غوث العالم ان کی صورت حال دیکھ کر بہت مغموم و افسردہ ہوئے اور اپنی نعلین مبارک انھیں عطا فرمائی۔ سید صاحب نے حضرت کی نعلین کو اپنے سر کا تاج بنایا اور چالیس روز تک اسی طرح کمال عجز و احترام کا

مظاہرہ کرتے رہے۔ سید صاحب کو اس طرز عمل کا یہ صلہ ملا کہ ”حق تعالیٰ از آں مدت کہ کشف بکشف افتاد بخانہ اور فابہ و آسو دگی بسیار پیدا کرد“۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۸، ۴۰۹)

۲۴ حضرت شیخ راجا علیہ (الرہم) :- زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے اور حضرت غوث العالم کے خلیفہ خاص اور مرید صادق تھے۔ انھوں نے اپنے پیرومرشد کی حد درجہ خدمت و ملازمت کی لیکن سادگی کے حُسن کا بڑا لحاظ رکھا۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی بے نمازی کے ساتھ خورد و نوش نہیں کرتے تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹)۔

۲۵ حضرت جمشید بیگ علیہ (الرہم) :- خاندان ازبک کے ایک نامور امیر تھے۔ حضرت غوث العالم نے جب یاغستان کو رونق بخشی تو سعادت و اراوت حاصل کرنے کے لئے ترکانِ سادہ کا جم غفیر ہو گیا اور لوگوں کی کثرت آمد و رفت اس حد تک بڑھی کہ امیر تیمور صاحبقران جو اس وقت سمرقند میں موجود تھا، کو بھی حضرت غوث العالم کے رونق افروز ہونے کی اطلاع موصول ہو گئی۔ امیر تیمور نے کہلا بھیجا کہ ”من آں سپد زاوہ را دیدہ ام“ اور اسی کے ساتھ خورشید بیگ کو حکم صادر کیا کہ ”بملازمت آں سید زاوہ با بعضی از زندرات برود آمد“۔ چنانچہ خورشید بیگ نے معزز لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امیر تیمور صاحبقران کے حکم کی تعمیل کی لیکن حضرت غوث العالم نے وہ سارے اسباب و اموال و مراکب فقرا پر نثار کر دیئے۔ اسی جماعت کے ایک ممتاز فرد جمشید بیگ بھی تھے جو حضرت غوث العالم ہی کی خدمت میں رہ گئے۔ انھیں توفیق سلوک نصیب ہوئی اور آخر میں خلافت و اجازت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹)۔

۲۶ ﴿حضرت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی علیہ (الرہم):۔ آپ کا تفصیلی ذکر ص ۵۱، ۵۰ کے حاشے پر آچکا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضرت ملک العلماء کو حضرت غوث العالم سے اجازت اور خلافت دونوں حاصل تھی۔ اس ضمن میں صاحب لطائف اشرفی کا واضح بیان ہے کہ ”ریاضات شدیدہ و مشاہدات جدیدہ کشید کہ شرف خلافت و اجازت یافتہ“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۲۷ ﴿حضرت شیخ حاجی فخر الدین علیہ (الرہم):۔ علوم ظاہری سے آراستہ اور علم تصوف میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم ہی کی مہر کا بی میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ وہاں کی واپسی پر انہوں نے موضع اوسرہٹہ کو اپنا مسکن بنایا اور اس علاقے کے سارے معتقدان ان کے حوالے کر دیئے گئے۔ ان کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ داؤد علیہ (الرہم) نے بھی حضرت غوث العالم سے شرف خلافت حاصل کیا لیکن تربیت باطنی کے لئے انھیں بھی حضرت شیخ حاجی فخر الدین علیہ (الرہم) کے سپرد کر دیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)

۲۸ ﴿حضرت قاضی رکن الدین علیہ (الرہم):۔ حضرت غوث العالم نے حضرت قاضی کو شرف خلافت و اجازت مرحمت فرما کر موضع دونیری نزد مقام حاجی پور روانہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک خانقاہ کی تعمیر کی اور اطراف کے سارے چھوٹے بڑے ان سے ارادت و ہدایت حاصل کرنے لگے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۲۹ ﴿حضرت شیخ تاج الدین علیہ (الرہم):۔

۳۰ ﴿حضرت شیخ نور الدین علیہ (الرہم):۔ حضرت غوث العالم بنگال سے روانہ ہو کر دونیری تشریف لائے تو اس موقع پر ان دونوں حضرات نے شرف ارادت حاصل کیا اور

پھر حضرت کی ہر کاپی میں روح آباد (کچھو چھا شریف) بھی آئے۔ یہاں ان دونوں نے کثرت کے ساتھ ریاضتیں کیں حتیٰ کہ وادرات عالیہ اور مقامات بلند سے متعارف ہوئے۔ جب سعادت خلافت کے لائق ہوئے تو مقام کو دیوان کے لئے مقرر کیا گیا کہ خدمتِ خلق اور دینِ حق کو خوب فروغ دیں۔ (لطائفِ اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰)۔

۳۱۔ حضرت شیخ الاسلام احمد آبادی علیہ (الرحمہ) (گجرات) :- علوم و فنون کے جامع تھے لیکن انھیں علمِ ہیئت، علمِ نجوم اور حکمت میں خصوصیت حاصل تھی۔ حضرت غوثِ العالم نے گجرات کا قصد سفر فرمایا تو وہاں حضرت شیخ الاسلام نے پہلی ہی ملاقات میں چند علمی مسائل بطور امتحان حضرت سے دریافت کئے۔ حضرت غوثِ العالم نے ہر سوال کا اطمینان بخش جواب مرحمت فرمایا لیکن شیخ الاسلام نے اہتمام و تفہیم کے بجائے ”طریقِ جدال و سبیلِ مقال“ کو حد سے زیادہ طویل کر کے لوگوں میں انتشار پھیلا دیا۔ رات کے وقت خواب میں ان کی سرزنش ہوئی کہ سید سے مکابرہ مت کر، آج سے اگر یہ روش اختیار کی تو خسارہ رہے گا۔ آج تو تمہارے اکابرین کی روحانیت درمیان میں آگئی تھی جس نے معاملے کو رفع کر دیا۔ دوسرے دن شیخ الاسلام، حضرت غوثِ العالم کی خدمت میں بے تابانہ پہونچے اور اپنی غلطیوں کی معذرت چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ ”ازما کا روف و ازما جفا و اکنوں نہ وفانہ جفا بلکہ محل صفا است“۔

اس واقعہ کے بعد سے شیخ الاسلام ہمہ وقت حضرت غوثِ العالم کی خدمت بابرکت میں حاضر رہا کرتے تھے اور کسی وقت جدانہ ہوتے تھے۔ انھوں نے دو (۲) سال مسلسل ریاضت و خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جب استعداد تامہ پیدا ہوگئی تو خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ہر چند کہ اس دیار میں حضرت غوثِ العالم کے

خلفاء اور اصحاب پیشاں تھے لیکن میدان ولایت کی تربیت و نگہداشت کے لئے حضرت شیخ الاسلام ہی کو مامور کیا گیا۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰، ۴۱۱)۔

۳۲ ﴿حضرت شیخ مبارک گجراتی علیہ (رحمہ)﴾: اکابرین گجرات اور عمائدین دیار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ وہ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ مند تھے۔ ان کے فضائل حمیدہ اور ثنائیں پسندیدہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جانی، جسمانی اور مالی خدمات میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ حضرت غوث العالم کی ہمرکابی میں روح آباد (کچھو چھا شریف) پہنچے اور یہاں بے پناہ مجاہدے کئے اور چلے کھینچے حتیٰ کہ ان کو شرف خلافت و اجازت سے نوازا گیا۔ اس کے بعد انھیں گجرات روانہ ہونے کا حکم ملا اور انھیں کے بدست حضرت شیخ الاسلام کے لئے علم و طوغ بھی بھیجا گیا۔ حضرت شیخ مبارک علیہ (رحمہ) کی سفارش سے حضرت شیخ الاسلام کو حضرت غوث العالم نے ایک مکتوب گرامی بھی تحریر فرمایا تھا اسی مکتوب کے بارے میں صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں: آں مقدار حقائق و معارف کہ نسبت شیخ الاسلام در مکتوبات مکرر نوشتہ بسبب دیگر اصحاب نبودہ۔“

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱)

۳۳ ﴿حضرت شیخ حسین علیہ (رحمہ)﴾: دودمانِ خلیفہ اور خاندانِ محمدی کے چشم و چراغ تھے۔ دنیاوی مال و متاع اور جاہ و حشمت کے اعتبار سے اونچا مقام رکھتے تھے۔ لیکن جب توفیق ازلی نے رفاقت کی اور دنیا کے عارضی آب و رنگ سے دل کی وابستگی ختم ہوتی گئی تو منزل سلوک کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت غوث العالم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی۔ حضرت شیخ نے شدید ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنی تہذیب کی اور خود ہی اپنے کو منصب خلافت اور خرقہ نیابت کا حقدار بنایا۔ ان منزلوں سے گذر کر انھوں نے

موضع دہری میں سکونت اختیار کی اور سرحد چنارن (بہار) تک ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا غل بچنے لگا۔ بادشاہ بنگالہ حضرت شیخ حسین علیہ السلام کا غیر معمولی عقیدہ مند تھا اس نے احباب کی معیشت ورفاہیت کے لئے ایک مخصوص رقم بطور نذر پیش کی تھی۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱)

۳۳ حضرت شیخ سیف الدین مسند عالی سیف خاں علیہ السلام (رحمہم اللہ) اودھ کے ایک رئیس اور بہت بڑے منصب دار تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ بہت کشادہ دست بھی تھے اور تمام صوفیائے کرام سے بحکمال خوش اعتقادی بھی رکھتے تھے۔ حضرت غوث العالم سے انھیں خصوصی وابستگی پیدا ہو گئی تھی مگر ان کو سلسلہ ارادت میں داخل کرنے سے حضرت دامن بچاتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد جب سیف خاں نے دولت معنوی حاصل کر لیا اور اپنے مجاہدوں سے جذبات عالیہ کو بیدار کر چکے تو حضرت غوث العالم نے انھیں جامہ تبرک عنایت فرمایا اور بعد میں خلافت سے بھی سرفراز کیا۔

(لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۱، ۴۱۲)

ایک مرتبہ مسند عالی سیف خاں نے ایک لاکھ کی جاگیر حضرت غوث العالم کی خدمت میں نذر پیش کی۔ اس طرز عمل پر حضرت متبسم ہوئے اور فرمایا کہ ”کسی راکہ قریہ روزگار دپر گنہ دو اسپر دہ باشد ادبایں جز دی قریات مقید نشود“۔

(لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲)

۳۵ حضرت شیخ محمود کشوری علیہ السلام (رحمہم اللہ) آپ پر حضرت غوث العالم کا التفات ہمیشہ رہتا تھا اور سفر و حضر میں حضرت کی خدمت و ملازمت میں برابر رہا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ کی تعلیم باطنی مکمل ہو گئی تو حضرت غوث العالم نے انھیں خلافت

واجازت مرحمت فرما کر کثور (ضلع بارہ بنگی) روانہ کر دیا تاکہ سلسلہ ارادت کی توسیع ہو اور اللہ کی مخلوق زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر سکے۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)۔

۳۶ حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز علیہ (رحمہ)۔ حضرت غوث العالم نے ایک دعوت کے سلسلے میں قصبہ کثور کو رونق بخشی تو جس خانقاہ میں حضرت قیام پذیر تھے وہاں حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دراز علیہ (رحمہ) نے شرف دیدار حاصل کیا۔ چند روز کے بعد حضرت شیخ نے التماس خرقة کیا۔ ان کے اخلاص بے پایاں کو محسوس کرتے ہوئے حضرت غوث العالم نے لطف و کرم کی توجہ انکی جانب مبذول فرمائی۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)۔

۳۷ حضرت شیخ عبداللہ بناری علیہ (رحمہ)۔ حضرت غوث العالم بلدہ جوہپور سے بنارس تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصے تک قیام فرمایا۔ انھیں ایام میں حضرت شیخ عبداللہ بناری علیہ (رحمہ) نے حضرت سے بیعت و خلافت حاصل کی اور جلد ہی حضرت کے خلفاء کبریٰ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ حضرت شیخ کا علمی وقار بھی کچھ کم نہ تھا۔ صاحب لطائف اشرفی رقمطراز ہیں: ”دی قدوہ علماء الصدیقی وزبدہ فصحاء روزگار بود“۔ (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲)

۳۸ حضرت ابوالوفا خوارزمی علیہ (رحمہ)۔ ملاحظہ ہو حاشیہ (۵۲)



اے میرے مولیٰ کے پیارے نور کی آنکھوں کے تارے
اب کے سید پکارے تم ہمارے ہم تمہارے
(حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ)

આપ હમરાત કા ચહીતા INDIA કા
NO.1 FREE ઇસ્લામિક SMS GROUP

ASHRAFITODAY

- કમાઈલે રસુલ (સલ્લલ્લાહો અલયહે વસલ્લમ)
- કમાઈલે હમરતે મૌલા અલી (રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)
- કમાઈલે હમરતે ફાતેમતુઝઝોહરા (રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)
- કમાઈલે હમરત ઇમામે હસન (રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)
- કમાઈલે હમરત ઇમામે હુસૈન (રદીઅલ્લાહુ તઆલા અન્હો)

કુર્આન-હદીષ, બુખુગાને-દીન કી
નશીહતે વ બેશુમાર દીની માલુમાત
અબ આપ કે મોબાઈલ પર પાઈએ
દોરતો ! આપ બસ ઇતના કીજીયે

અપને મોબાઈલમેં JOIN ASHRAFITODAY ટાઈપ
કરે ઔર 92195 92195 પર SMS SEND કરે.

ખુદ ભી મેમ્બર બને ઔર દુસરો કો ભી બનાએ